فہم توحید باری تعالیٰ کے چار بنیادی اصول

تالیف: شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب - رحمہ اللہ -

شرح وتعلیق: الشیخ محمد بن سعد بن عبدالرحمن الحنین

www.islamhouse.com

Rabwah
islamhouse.com
ہمیں دنیا کی ۹۰ سے زائد
زندہ وحساس زبانوں میں اسلام کے
نشرواشاعت کی سعادت حاصل ہے
ننشر الإسلام
بـ ٩٠ لغة
islamhouse.com
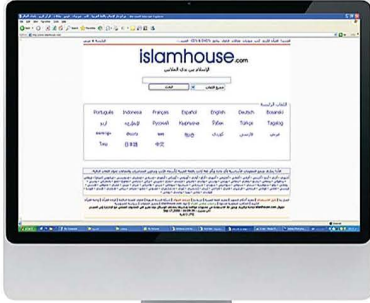
فہم توحید باری تعالیٰ
کے چار بنیادی اصول

تالیف: شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب -رحمہ اللہ-

شرح و تعلیق: لشیخ محمد بن سعد بن عبدالرحمن الحنین

ترجمہ: أبو أسعد قطب محمد الاثری

تصحیح و مراجعہ

د/ عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی

استاذ حدیث جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض

دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد و توعیۃ الجالیات ربوہ، ریاض

شرح
القواعد الأربع
باللغة الأردية

للإمام محمد بن عبدالوهاب –رحمه اللّٰه–

تأليف

فضيلة الشيخ محمد بن سعد بن عبدالرحمن الحنين

ترجمة

أبو أسعد قطب محمد الأثري

تصحيح ومراجعة

د/ عبدالرحمن بن عبدالجبار الفريوائي

عضو هيئة التدريس بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية الرياض

١٤٣٢هـ / ٢٠١١م

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃ الشارح

الحمد لله رب العالمين، والصلاام والسلام على سيد المرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين. أما بعد:

سب سے بہتر چیز جس میں سبقت کرنے والے، اور آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے والے مقابلہ کرتے ہیں، جو آدمی کی زندگی میں سعادت مندی، اور نیک بختی اور آخرت میں کامیابی کی ضامن و کفیل ہو، اور راہ سعادت کے لیے رہنمائی کا کام دے، وہ مفید اور نفع بخش علم اور عمل صالح ہے، ان دونوں کے بغیر آدمی کی سعادت ناممکن ہے بلکہ مفید علم اور نیک عمل کے اسباب سے جڑے بغیر کسی طرح کی نجات وچھٹکارے کا تصور ممکن نہیں ہے، جس شخص یہ دونوں چیزیں مل جائیں، حقیقت میں وہی کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوگا، اور جو ان سے محروم ہوگا وہ تمام بھلائیوں سے محروم ونامراد ہوگا، حقیقت میں یہی دونوں چیزیں آدمی کی کامیابی اور ناکامی کا بنیاد ہیں، اور یہیں سے نیک وبد، متقی و گمراہ، ظالم ومظلوم کا صحیح پتہ چلتا ہے۔

جب یہ واضح ہوگیا کہ علم و عمل ایک دوسرے کے دوست اور باہم لازم

وملزوم ہیں، اور علم کا مقام ومرتبہ عمل کے شرف اور بلند مقام کے تابع ہے، تو تمام علوم ومعارف میں مطلق طور پر علم توحید کا مقام سب سے بلند وبالا ہوگا، اسی وجہ سے علم توحید کو علماء نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنایا، اور مختصر ومفصل ہر طرح کی کتابیں تالیف کیں، انہی علماء میں سے ایک نام امام محمد بن عبدالوہاب -رحمہ اللہ- کا ہے جنہوں نے اپنی زندگی میں ایسا دور دیکھا جس میں اسلام کے کڑے ٹوٹ رہے تھے، ستاروں کی پرستش ہورہی تھی، قبروں اور مزاروں کی تقدیس وتعظیم کی جارہی تھی، ان پر مساجد تعمیر کی جارہی تھیں، اور ان پر بنی درگاہوں اور قبوں کی پوجا کی جارہی تھی، اور زندگی کے تمام اہم کاموں میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہی سے لو لگایا جاتا تھا، ایسے ماحول میں آپ نے اپنی اصلاحی کوشش کو تیز سے تیز تر کیا، اور اللہ، اور اس کی کتاب، اور اس کے رسولوں اور سارے لوگوں کی خیر خواہی اور بھلائی کا اعلان کردیا، آپ نے انبیاء کرام کے منہج پر اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دینی شروع کی، اور انہیں شرک اور اس کے تمام وسائل وذرائع سے منع کرنے لگے، اور آپ نے دعوت کے میدان میں اپنی کوشش برابر جاری رکھی بلکہ ان تمام اسلوب وذرائع کو اختیار کیا جسے حق تک رسائی اور رب کی رضا اور خوشنودی تک پہنچا جاسکے، چاہے وہ تصنیف وتالیف کے ساتھ ہو یا تعلیم وتربیت، یا خط وکتابت۔

امام محمد بن عبدالوہاب کی جملہ تصانیف میں ایک مشہور کتاب ''القواعد الاربعہ'' ہے، جو بہت مختصر ہوتے ہوئے بڑی اہم کتاب ہے، اوراس میں توحید خالص کی فہم سے متعلق بڑے حساس اوراہم مسائل کا صحیح علاج ہے، انھی اہممسائل میں سے ایک مسئلہ اللہ کے ساتھ اولیاء وصالحین کے شرک کا فتنہ ہے، جس کی وضاحت مؤلف -رحمہ اللہ- نے ٹھوس دلائل اور پختہ علم، اعلیٰ سوج بوجھ اور قرآن کریم کی آیتوں اور صحیح احادیث کی روشنی میں کی ہے، یہ اس طرح سے کہ آپ نے موحد کو عقیدے کے باب میں لا علاج پھیلی بیماریوں سے نجات بخشی، حق اور ہدایت کے متلاشیان کی صحیح رہنمائی فرمائی اور گمراہ وفسادی کو لگام لگائی۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کتاب کی شرح کی متعدد بار توفیق عطا فرمائی، بعض طالب علموں نے اس شرح کو تحسین کی نظر سے دیکھا اور اسے کتابی شکل میں لانے کا مشورہ دیا، لہذا میں نے عام لوگوں کے فائدے کی خاطر اسے کتابی شکل دی، اور کافی غور وفکر کے بعد کچھ حذف واضافہ کرتے ہوئے، کتاب کو پائے تکمیل تک پہنچایا، جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے، طوالت سے بچتے ہوئے اس رسالے کی شرح میں میں نے درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے اختصار و مفصل کے درمیان کا راستہ اختیار کیاہے۔

سن ۱۳۷۴ھ میں ''المجموعہ العلمیہ السعودیہ'' کے ضمن میں شائع ہونے والی

یہ کتاب ''القواعد الاربعہ'' کے متن کو میں نے اس شرح میں سامنے رکھا ہے، جس کے قدیم قلمی نسخے کی تصحیح سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم -رحمہ اللہ- نے کی ہے۔

آخر میں میں اپنے ان افاضل مشائخ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس شرح کا مراجعہ کیا اور اپنے قیمتی مشورے سے ہمیں نوازا، بالخصوص شیخ عبداللہ بن محمد الغیمان اور ڈاکٹر عبدالعزیز بن محمد بن علی آل عبداللطیف کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ہماری بڑی ہمت افزائی فرمائی۔

میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس شرح کو ایسے ہی مفید اور نفع بخش بنادے جیسے اس نے اس کی اصل کو نفع بخش اور مفید بنایا ہے، اور ہمیں اس کے اجر و ثواب سے محروم نہ کرے۔

اے اللہ! ہمیں اور ہمارے والدین اور ہمارے اساتذۂ کرام، اور طلبہ کو درگزر فرما، اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت و قوت دے، اور شرک اور مشرکین کو رسوا فرما، اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور بندوں سے بہت ہی قریب ہے۔

کتبہ:

محمد بن سعد بن عبدالرحمٰن الحنین
المدرس بالمعہد العلمی فی الشفاء بالریاض
ص.ب: ٣٤٧١، الرمز البریدی: ١١٩٤٢

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قارئین کرام! آپ کے ہاتھوں میں اس وقت شیخ الإسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا ایک مفید کتاب "قواعد اَربعہ" ہے، جس کی شرح وتوضیح پر مشتمل یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش ہے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے)۔

عرشِ عظیم کے رب، اللہ کریم سے میں دعاگو ہوں کہ وہ آپ کو دنیا وآخرت میں اپنا دوست بنائے، جہاں کہیں بھی رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو برکت والا بنائے، اور آپ کو اپنے ان بندوں میں سے بنائے جو اس کے فضل واحسان اور نوازش پر اس کا شکر ادا کریں، ابتلاء وآزمائش پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں، اور خطا اور گناہ کے صدور وارتکاب پر اللہ سے معافی کے طالب ہوں، یقیناً نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، مصیبت پر صبر کرنا اور گناہوں کے سرزد ہونے پر اللہ سے معافی مانگنا یہ تینوں باتیں سعادت اور نیک بختی کا عنوان ہیں۔

اس کتاب کی ابتداء شیخ الاِسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سے دو سبب کی بنا پر فرمائی۔

☆ پہلا یہ کہ کسی کام کے شروع کرتے وقت ایسا کرنا(قرآن کریم) پر عمل ہے۔

☆ دوسرا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایسا کرتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ اپنے خطوط کی ابتداء بسم اللہ سے کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے شاہِ روم ہرقل کے نام خط لکھا تو فرمایا:

"بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم"۔

میں یہ خط اس اللہ کے نام سے لکھنا شروع کر رہا ہوں جو رحمٰن ورحیم یعنی بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، محمد - اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے یہ نامہ - شاہ روم ہرقل کے نام ہے[بخاری:۷، ومسلم:۱۷۷۳]۔

پھر آپ نے دوسرے نمبر پر قارئین وسامعین کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعامانگی اور فرمایا: أسأل الله الكريم رب العرش العظيم (میں اللہ کریم عرش عظیم کے رب سے دعا کرتا ہوں) جیسا کہ تمام تصانیف میں آپ کی عادت ہے کہ آپ طلبہ کے لیے دعا گو ہوتے ہیں، یہ ایک طالب سے آپ کے خصوصی لگاؤ اور الفت و محبت کی دلیل ہے، طالب علم کو اہمیت دینا اور اس پر توجہ دینا ایسا اہم اخلاق ہے جس کے زیور سے ہر عالم کو آراستہ ہونا چاہیے، نا یہ کہ تبلیغ علم کو ایک بوجھ اور وزن سمجھ کر اس سے دست بردار ہو کر آدمی اس سے الگ ہو جائے، طلبہ سے لگاؤ اور اُن کے مصالح سے دلچسپی حقیقت میں اگلے علماء کے اوصاف میں ایک چمکتے زیور کی طرح کی چیز تھی، وہ اس کو بوجھ نہ سمجھتے تھے، اور نہ وہ اس فکر سے دستبردار ہوتے تھے، بلکہ طلبہ سے لگاؤ اور اُن کے مصالح سے محبت اُن کے نزدیک بڑا قابل قدر اخلاق تھا۔

چنانچہ ابن جماعہ کنانی -رحمہ اللہ- درس وتدریس میں عالم (مدرس) کے آداب واخلاق کو شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

استاذ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کے مصالح کی پوری رعایت کرے، اور اس سے نرمی و شفقت اور احسان کا ایسا معاملہ کرے جیسا کہ وہ اپنی عزیز ترین اولاد سے کرتا ہے، بسا اوقات طالب علم سے بعض نازیبا اَفعال سرزد ہوجاتے ہیں یا بعض ایسی کوتاہی ہوجاتی ہے، جو عام طور پر انسانوں سے ہوہی جاتی ہے، تو ایسے موقع پر اس پر صبر کرے، اور بعض اوقات طالب علم سے سرزد ہوجانے والی بے اَدبی پر اُس کو معاف کردے، اور حتی الاِمکان اس کے عذر کو وسعتِ نظر سے دیکھا جائے، اس کو اُس کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر نصح اور خیر خواہی کے جذبے سے اسے مطلع کیا جائے، اور سختی اور زیادتی سے پرہیز کیا جائے، اور ان تمام اقدامات کا مقصد یہ ہو کہ طالب علم کی تربیت اچھی طرح سے ہو اس کے اخلاق وعادات بہتر ہوجائیں، اور اُس کی حالت سدھر جائے...

استاذ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کے ساتھ تواضع وخاکساری سے پیش آئے، ایسے ہی سائل اور نصیحت طلب کرنے والا اگر اللہ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہو تو اُس کے ساتھ بھی تواضع کا معاملہ کرے، اور اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ

کرے(آداب السامع والمتکلم:۱۴۰-۱۵۹)۔

مؤلف نے اللہ رب العزت کے لیے (**الکریم**) کا لفظ استعمال کیا، ''کریم'' اللہ کے اسماء حسنی میں سے ایک نام ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ نام رکھا، اور اپنی ذات کو کرم سے متصف کیا، بے شک اللہ تعالیٰ اکرم (نہایت عزم اور جود وسخا والا) ہے۔

لفظ ''کرم'' ان جامع الفاظ میں سے ہے جو جملہ محاسن ومحامد کو شامل ہے، اس سے صرف نوازش اور عطا ہی مقصود نہیں، بلکہ نوازش اور عطا کا معنی اس سے پورا ہوتا ہے، درحقیقت دوسرے پر احسان محاسن کا اعلیٰ درجہ ہے، اور کرم خیر و بھلائی کی کثرت وزیادتی کو کہتے ہیں(فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ:۱۶/ ۲۹۳)۔

''کریم'' و''اکرم'' کا نام اور ان کے علاوہ جو نام بھی اسماء حسنیٰ میں سے ہیں مثلاً ''علی'' اور ''اعلیٰ''، ''قدیر'' اور ''مقتدر''، اصل معنی میں ایک ہیں، لیکن لفظ الگ الگ ہیں تو انہیں ایک ہی نام شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ ان میں سے ہر نام کی حیثیت ایک مستقل نام کی ہوگی۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک ہی صفت سے مشتق کئی نام کو الگ الگ شمار کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، کیونکہ فی الجملہ اس میں تغایر واختلاف ہے، اور ان میں سے بعض نام اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتے ہیں کہ ایک نام میں جو خصوصیت پائی جاتی ہے، دوسرا نام اس خصوصیت سے خالی ہوتا ہے(فتح الباری:۱۱/ ۱۹)۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب -رحمہ اللہ- نے اپنی دعا میں اللہ کے لیے رب العرش العظیم کالفظ استعمال کیاہے، عرش کا معنی تخت شاہی کے ہیں،اورعرش الرحمن (اللہ تعالیٰ کاعرش)پایوں والا تخت ہے، جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں،اور وہ دنیاجہان پر قبہ کے مانند ہے، اور تمام مخلوقات کی چھت ہے(شرح الطحاویۃ ابن ابی العز:۳۶۶)۔

عرش الٰہی کے بعض اوصاف: عرش کی متعدد صفات کتاب وسنت میں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱- **عظمت:** عرش کی ایک صفت عظمت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس

کے بارے میں فرمایا:﴿اللَّهُ لا إِلَهَ إِلا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾(النمل:٢٦)”اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے“۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے، لیکن اس آیتِ کریمہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کو عرشِ عظیم کا رب قرار دیا، بعض علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ چونکہ عرش اللہ کی مخلوقات میں سے ایک عظیم مخلوق ہے اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے(تفسیر ابن عطیۃ:۱۲/۱۰۶)۔

۲- مجد: عرش کی ایک صفت مجد اور بزرگی بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ (البروج:١٥).
”مجد و بزرگی والے عرش کا مالک ہے“۔

حمزہ اور کسائی کی قراءت کی روشنی میں لفظ ”مجید“ کے دال پر کسرہ یعنی زیر کی رعایت کرتے ہوئے کہ ”مجید“ عرش کی صفت ہے، اور اسی کے پیشِ نظر آیت کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

۳- کرم: عرش کی ایک صفت کریم بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لا إِلَهَ إِلا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾ (المؤمنون:١١٦). "اس (اللہ) کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہی عزت والے عرش کا مالک ہے)"۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ قول: اللہ دنیا و آخرت میں آپ کو اپنا ولی (دوست) بنائے۔

"ولی" اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (الشورى:٩) (کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنالئے ہیں، (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے، وہی مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے)۔

اللہ ہی ولی (دوست) ہے، کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوق کے امور کا نگہداشت ہے، اور وہی ان کے تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا اور ان کا مالک ہے. اور اللہ سبحانہ کو ہی ولایت خاصہ (خصوصی

دوست) لائق وزیبا ہے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور ان کا ناصر ومدد گار ہے[تفسیر الأاسماء الحسنی، سعید القحطانی: ص / ۱۱۲- ۱۱۳]۔

مؤلف کا قول: اور آپ جہاں کہیں بھی رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک (بابرکت) بنائے۔

حقیقت میں یہ دعا عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے ماخوذ ہے، جب وہ اپنی ماں کے گود میں تھے تو یہ دعا فرمائی تھی، جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس بارے میں قرآن مجید میں بتایا ہے۔

﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ﴾ (مريم: ٣١). ”اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں“۔

برکت کی تفسیر لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے سے کی گئی ہے، اسی طرح سے اس کی تفسیر بھلائی کا حکم دینے اور منکر (خلاف شرع کام) سے روکنے کا حکم دینے سے بھی کی گئی ہے (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۱۷)۔

اس کے علاوہ بھی بعض اقوال اس کی تفسیر میں وارد ہیں، لیکن ان

میں آپس میں کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے۔

فائدہ: ایک ہی آیت کی مختلف تفسیر جو سلف سے منقول ہیں، حقیقت میں وہ اختلاف تنوع ہے، اختلاف تضاد نہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء سلف کے درمیان تفسیر میں بہت تھوڑا سا اختلاف ہے جبکہ اس کے مقابل میں فقہی احکام میں کافی اختلاف ہے، تفسیر کے بارے میں اختلاف کے متعلق ان سے جو صحیح بات منقول ہے وہ یہ کہ غالبا ان کا اختلاف تنوع میں ہے، جس کا تضاد اور حقیقی اختلاف سے کوئی تعلق نہیں[الفتاویٰ: ۱۳/ ۳۱۳]۔

مؤلف کا قول: اور اللہ تعالی آپ کو ان بندوں میں سے بنائے جو اس کی نعمت پر شکرادا کریں، اس کی آزمائش وابتلاء پر صبر و تحمل، اور گناہوں کے صدور و ارتکاب کے وقت اس سے معافی مانگیں، یقیناً یہی تین باتیں سعادت و نیک بختی کا عنوان ہیں۔

حقیقت میں یہی وہ تین حالتیں ہیں جس سے بندہ کبھی جدا نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ انہی میں گردش کرتا رہتا ہے، آدمی اللہ تعالیٰ کی بے شمار

نعمتوں میں پلتا ہے جس پر اللہ نے اپنا شکرادا کرنا فرض کیا ہے، یا یہ کہ وہ پریشانیوں و آزمائشوں سے گزرتا ہے جس میں اس پر صبر فرض ہے، یا کہ اس سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس پر توبہ واستغفار واجب ہے (الوابل الصیب لابن القیم:٥)۔

فائدہ: نیز طبرانی کی معجم کبیر میں ایک مرفوع روایت آئی ہے: **من ابتلى فصبر، و أعطى فشكر، وظلم فغفر، وظلم فاستغفر.**

﴿الَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُواْ إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الأنعام:٨٢).

یعنی جسے آزمایا گیا تو صبر کیا، حصول نعمت پر شکر گزار ہوا، ظلم ہوا تو معاف کیا، ظلم کیا تو معافی مانگی، ایسے ہی لوگ جو ایمان لائے اور شرک سے دور رہے مامون اور ہدایت یاب ہیں)۔یہ حدیث سخت ضعیف ہے، ملاحظہ ہو: (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ للألبانی: ٤٥٢٧، الجامع: ٥٣٢٣)۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

جان لو! آپ کو اللہ اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی رہنمائی فرمائے، حنیفیت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، دینِ ابراہیم کی حنیفیت کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں تنہا اس کی عبادت کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاريات:٥٦).

”میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں“۔

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ نے آپ کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے تو اس بات کو ٹھیک سے سمجھ لیں کہ بغیر توحید خالص کے کوئی بھی عبادت عبادت نہیں ہو سکتی، یوں ہی جیسے کہ کوئی نماز بغیر طہارت اور وضو کے صحیح عبادت نہیں ہو سکتی، کیونکہ جب عبادت میں شرک داخل ہو جاتا ہے تو اسے برباد کر دیتا ہے، ٹھیک ایسے ہی جیسے حدث (وضو ٹوٹنے) سے طہارت باطل ہو جاتی ہے۔

آپ پر جب یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ شرک جب عبادت کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے تو اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے، اور اعمال کو بھی برباد کر دیتا ہے، اور شرک کرنے والے کا ہمیشگی کا ٹھکانا جہنم بنا دیتا ہے، تو اس سے آپ کو پتہ چل گیا ہو گا کہ توحید کی اہمیت کو جاننا اور شرک کے فساد سے باخبر رہنا کتنا اہم اور کتنا ضروری ہے، امید کہ اللہ آپ کو شرک کے جال سے نجات دے، اور یہی وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا جال ہے جس کی سنگینی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿إِنَّ اللّهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاء﴾ (النساء:٤٨).

"یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جس گناہ کو بھی چاہے بخش دیتا ہے"۔

مؤلف کا قول: جان لو! ؒ اللہ آپ کو اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی رہنمائی فرمائے، حنیفیت دینِ ابراہیم ہے، حنیفیت کا مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں تنہا اس کی عبادت کریں)۔

فائدہ ۱: مؤلف رحمہ اللہ نے اپنی بات کو **(اعلم)** کے لفظ سے شروع کی ہے، جس کے معنی معلوم ہونا چاہیئے یا جان لو کے ہے، اور یہ مادہ علم کا فعل امر ہے یعنی ''جان لو، آگاہ ہو جاؤ''، علماء نے اس کے معنی اور مدلول کے بارے میں اختلاف کیا جن کے اقوال کی تفصیل یہ ہے:

۱- علم اس پختہ اعتقاد کا نام ہے جو واقع کے عین مطابق ہو [التعریفات للجرجانی: ۱۵۷]۔

جیسے آپ کہتے ہیں کہ ہر مخلوق کے لئے خالق کا ہونا لازم ہے، اور وہ اللہ سبحانہ تعالی ہے، تو اسی کا نام علم رکھا جائے گا کیونکہ یہ حکم یقینی طور پر صادر ہوا ہے جو واقع کے بالکل مطابق ہے۔

۲- بعض علماء کے قول کے مطابق علم کی کوئی تعریف نہیں کی جائے گی، جیسے ابن العربی المالکی رحمہ اللہ کا یہ قول ہے: اور اس کی علت یہ ہے کہ

علم اتنا زیادہ واضح ہے کہ اس کی وضاحت اور بیان کی ضرورت ہی نہیں۔ تعریف کی قطعاً ضرورت نہیں[عارضۃ الأحوذی:۱۰/ ۱۱۳-۱۱۴]۔

(اِعلم) امر کا صیغہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کسی بڑی اہمیت کی حامل چیز کا بیان مقصود ہوتا ہے، یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جن علوم ومعارف سے کچھ آپ کو روشناس کرایا جائے گا اس کے لئے آپ بالکل مستعد اور اس کی فہم کے لئے تیار ہو جایئے۔(حاشیۃ الأصول الثلاثۃ لابن قاسم:۹)۔

(الرشد): (رشد وہدایت) یہ اللہ تعالیٰ کے متنوع احسانات میں سے ایک احسان، اور عظیم ترین فضیلتوں میں ایک فضیلت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُوْلَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ☆فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (الحجرات:۷-۸)

(یہی لوگ راہ یافتہ ہیں، اللہ کے احسان وانعام سے،اور اللہ دانا اور باحکمت ہے)۔

رشد کی تعریف: بعض اہلِ علم نے رشد کی تعریف یوں کی ہے: رشد

نہایت مضبوطی کے ساتھ حق پر جمے وڈٹے رہنے کو کہتے ہیں۔(فتح القدیر للشوکانی:۵/۱۷)

ہدایت اور رشد میں فرق: امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رشد وہ علم ہے جو نفع بخش ہو، اور اس کے مطابق عمل ہو، رشد اور ہدیٰ جب دونوں الگ الگ ذکر کیئے جائیں تو ہر ایک دوسرے کے معنیٰ کو شامل ہوتے ہیں، لیکن جب دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہو تو رشد کا معنی حق کا علم اور ہدی کا معنی حق کے علم کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔[إغاثۃ اللهفان:۱/۵۳۷]۔

اطاعت کی تعریف: اطاعت اس پیروی اور تابعداری کو کہتے ہیں جو دین اور شریعت کے حکم کے مطابق ہو۔(شرح الطحاویۃ لابن ابی العز الحنفی:۱/۳۳۵) یعنی آپ عبادت اس طرح کریں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق ہو[الکوکب المنیر لابن النجار:۱/۳۸۵]۔

مثال: اس مثال کو یوں سمجھیں جیسے کہ نماز اس وقت تک اطاعت نہیں ہوسکتی جب تک کہ آپ اسے اللہ کے حکم کے مطابق اس کے شروط

وواجبات،اور اَرکان کے ساتھ ادانہ کریں۔

مؤلف کا قول: (حنیفیت دینِ ابراہیمی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کریں)۔

حنیف کا کلمہ قرآن میں کئی بار آیا ہے،اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر یہ فرض کیا ہے کہ حنیفیت یعنی (استقامت والے) بن جائیں،اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جائیں پہلے اللہ نے اہلِ کتاب (یہود و نصاری) پر فرض کیا تھا، پھر اسے امت محمد پر فرض قرار دیا،اور ان پر اور ان سے پہلے یہود و نصاریٰ پر یہ واجب قرار دیا تھا کہ وہ ملتِ ابراہیم کی استقامت اور یکسوئی کے ساتھ اتباع و پیروی کریں(جامع المسائل لشیخ الاسلام ابن تیمیہ:۱۷۹/۵)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (النحل:۱۲۳)"پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں ،جوکہ مشرکوں میں سے نہ تھے"۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلاَّ مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ (البقرة:١٣٠). ”دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا، اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہیں“۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَقَالُواْ كُونُواْ هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُواْ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (البقرة:١٣٥). ”یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے، تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں، اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے، اور مشرک نہ تھے“۔

جب یہ معلوم ہوا کہ حنیفیت فرض ہے، اور (مکلفین) سارے عاقل بالغ (مکلّف) لوگوں پر لازم ہے، تو مصنف رحمہ اللہ نے یہ واضح کیا کہ حنیفیت ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت یعنی دین و شریعت کا نام ہے۔

”ملة“ دین وشریعت کو کہتے ہیں (احکام القرآن للقرطبی: ٢/ ١٣٠)۔

لہذا حنیفیت کا صحیح مفہوم وہ دینی راستہ ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام قائم تھے، یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا۔

عرب اس شخص کو بھی حنیف کہتے تھے جو یہود ونصاری کے دین سے منحرف ہو جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ نصاریٰ میں سے بعض اہل کتاب کی کتابوں میں اور ان کے علاوہ کی کتابوں اور اقوال میں حنیف سے دشمنی کرنے کا تذکرہ ملتا ہے، اور یہ وہ عرب ہیں جنہوں نے حج اور ختنہ کو جمع کردیا (اور یہ دونوں چیزیں دین ابراہیمی کا جزء تھیں) حالانکہ وہ شرک کرنے والے ہیں (جامع المسائل لشیخ الإسلام ابن تیمیہ: ٥/ ١٨٤)۔

”حنیف“ یہ حنف سے ماخوذ ہے، اور حنف کا اصل معنی ہے میلان وجھکاؤ، لہذا حنیف کا معنی ہوا ادیان باطلہ سے کنارہ کشی اختیار کرنے والا۔

نیز بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ حنف کا اصل معنی استقامت ہے، استقامت ہی کی وجہ سے دین ابراہیم کو حنیفیت کا نام دیا گیا (تفسیر الشوکانی: ١/ ١٦٠-١٦١)۔

شیخ الاِسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سب کو چھوڑ کر صرف اللہ رب العزت ہی کے حکم پر جمے اور ڈٹے رہنے والا ہو، اور حنیفیت دراصل اللہ کی خالص اطاعت کرتے ہوئے اسی پر ڈٹے رہنے کا نام ہے، اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا، اس کے لئے خاکساری اختیار کرنا، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اسی معنی کو شامل ہے (الفتاویٰ:۵/۲۳۹، ۱۰/۴۶۶)۔

مولف کا قول: (جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ نے آپ کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے، تو اس بات کو ٹھیک سے سمجھ لو کہ بغیر توحید خالص کے کوئی بھی عبادت مقبول عبادت نہیں ہو سکتی، جیسے کہ کوئی نماز بغیر طہارت کے مقبول نماز نہیں ہو سکتی)۔

یعنی توحید خالص عبادت کی صحت و درستگی کے لئے اسی طرح بنیادی شرط ہے جیسے نماز کی صحت کے لئے طہارت بنیادی شرط ہے، اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئًا﴾ (النساء:٣٦).

”اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو“۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اپنی عبادت کے حکم کو شرک کی ممانعت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ عبادت کے صحیح ہونے کے لئے توحید شرط ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تک اللہ کے لئے عبادت خالص نہ ہو اس عبادت کو عبادت کا نام نہیں دیا جاسکتا جیسے کہ مشرک کی عبادت کو عبادت نہیں کہا جاسکتا، لیکن ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کا لفظ اس حقیقی معنی کے خلاف بھی استعمال کیا ہے ارشاباری ہے: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لا يَنفَعُهُمْ وَلا يَضُرُّهُمْ﴾ (الفرقان:۵۵). ”یہ (کفار ومشرکین) اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ تو انہیں کوئی نفع دے سکیں، اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں یوں فرمایا: ﴿قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ☆أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الأَقْدَمُونَ﴾

(الشعراء:۷۵-۷۶) ”آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے، جنہیں تم پوج رہے ہو؟☆تم اور تمہارے اگلے باپ دادا“۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی وضاحت اس انداز میں کی ہے جس سے مصنف کی مراد و مقصود کی وضاحت اچھی طرح ہو جاتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

عبادت کا لفظ کتاب و سنت میں دو طرح سے استعمال ہوا ہے:

۱۔ **مطلق**: کبھی عبادت سے مطلق عبادت مراد ہوتی ہے، اور یہی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں شرف قبولیت حاصل کرتی ہے، نیز یہی خالص عبادت ہے، اسی بنا پر اس شکل میں مشرک کی عبادت پر لفظ عبادت کا اطلاق نہ ہو گا، جیسے مطلق ایمان صرف سچے اور صحیح ایمان ہی کو شامل ہوتا ہے، کفار و مشرکین کے ایمان کو شامل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ صرف توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں، لیکن اللہ کی عبادت (الوہیت) میں شرک کرتے ہیں۔

۲- مقید: جب مشرک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتا ہے تو اس پر لفظ عبادت کا اطلاق قید کے ساتھ جائز ہے، چنانچہ اسے یوں کہا جائے گا کہ وہ شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اور غیر اللہ کی بھی عبادت کرتا ہے یا یہ کہا جائے گا کہ وہ شرک کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتا ہے، کتاب و سنت کے نصوص اس کی وضاحت کرتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے مذکور دونوں آیتیں، نیز اس ضمن میں قرآن کریم کی یہ بھی آیت ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاء مِّمَّا تَعْبُدُونَ﴾ (الزخرف:٢٦).
''اور جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بے زار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو''۔

اس آیت کریمہ میں قید کے ساتھ عبادت کا لفظ استعمال ہوا یعنی تمہاری عبادت اللہ کے ساتھ۔

اور اس لیے بھی جب کفار و مشرکین سے مطلقا عبادت کی نفی

آئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ﴾ (الكافرون: ٤). ''اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو''۔

تو یہاں قید کی شکل میں عبادت کی نفی مقصود نہیں، بلکہ مطلق عبادت کی نفی مقصود ہے، اور یہی مقبول عبادت ہے جو اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے (الفتاویٰ: ۱۶/ ۵۷۳)۔

(فائدہ: شیخ عبد اللہ الغنیمان حفظہ اللہ فرماتے ہیں: اس تفصیل سے مؤلف کے بیان کردہ فرق کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، بلکہ فرق یہ ہے کہ لغت میں عبادت ہر اس معبود کو کہتے ہیں جس کی عبادت کا قصد وارادہ کیا جائے، اور شریعت میں عبادت اس عبادت کو کہتے ہیں جو اللہ کو ایک جان کر خاص اسی کے لیے کی جائے، اصل میں یہی فرق ہے، مطلق وقید کا کوئی فرق نہیں)۔

اس سے واضح ہوا کہ مطلق عبادت کی نفی سے مصنف کی مراد وہی مقبول عبادت ہے جو اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے، مقید کی شکل میں عبادت کی نفی مقصود نہیں ہے۔

مولف کا قول: جب آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ شرک جب عبادت کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے تو عبادت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عبادت میں شرک کی ملاوٹ سے کیا احکام مرتب ہوتے ہیں، پہلا حکم واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبادت فاسد و برباد ہو جاتی ہے، لہذا جب بھی عبادت میں شرک کی ملاوٹ ہو گی تو وہ عبادت کو برباد کرنے والی ہو گی، اگر کوئی حج کی نیت کرے اور اس پر غیر اللہ سے مدد چاہے، یا غیر اللہ کے لئے ذبح کرے، یا نذر مانے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَشْرَكُواْ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ (الأنعام:۸۸).

"اور اگر فرضا یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے"۔

ٹھیک اسی طرح کوئی شخص وضو کرے، پھر اس کے بعد اللہ کے ساتھ شرک کرے، تو اس کا وضو باطل ہو جائے گا، ابن قدامہ رحمہ اللہ

فرماتے ہیں: طہارت (صفائی وستھرائی) ایک عمل ہے،اور یہ حکمًا باقی رہتا ہے،جب اس کو باطل کرنے والی چیزیں لاحق ہوں گی تو یہ باطل ہو جائے گا،اس لئے کہ وہ شرک کے ارتکاب سے واجبی طور پر برباد ہو جائے گا، اور اس لئے بھی کہ وہ عبادت ہے ، جو حدث (وضو کے ٹوٹنے) سے فاسد ہو جاتی ہے تو اسے شرک ضرور برباد بنادے گا (المغنی:۱/۲۳۸)۔

مصنف کا یہ کہنا کہ شرک کی ملاوٹ نے عبادت کے عمل کو باطل کردیا،اوراس کے لیے (احباط عمل) کالفظ استعمال کیا، بعض علماء نے اس کی توضیح بطلان سے کی ہے، قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"**احبط عملك**"اور"**حبط عملك**"دونوں کاایک ہی معنی ہے، باطل ہونا،اور لفظ فاسد وباطل مترادف یعنی ہم معنی لفظ ہیں (مشارق الأنوار: ۱/۲۲۱)۔

مصنف رحمہ اللہ نے شرک کی ملاوٹ پر یہ کہاکہ اس چیز نے

عبادت کو فاسد کر دیا، اور اس کے بعد احباط عمل کے لفظ فاسد کر دیا پر عطف کیا ہے، اور وہ ضمیر جو اس عبادت کی طرف جس میں شرک کی آمیزش ہو پلٹی تھی، اس کی اضافت اس کی طرف کی، اور لفظ ''العمل'' جس پر الف ولام معرفہ کی لگی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے اس کی اسناد حبوط کی طرف فرمائی، اور حبوط عمل (عمل کی بربادی) کو دوسرا حکم قرار دیا ہے، اس مناسبت سے کہ پہلے حکم سے مراد بذات خود عبادت کا برباد ہونا ہے، اور لفظ حبوط سے یہاں مراد ان سارے اعمال صالحہ کا برباد ہونا ہے جسے اس نے شرک کرنے سے پہلے کیا تھا، اس کی وضاحت اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے: ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر:٦٥) ''یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا، تو بلا شبہ آپ کا عمل ضائع و برباد ہو جائے گا، اور یقیناً آپ گھاٹے والوں میں سے ہو جائیں گے''۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب آدمی شرک سے نہ بچے تو وہ کافر ہے گرچہ وہ اس امت کا سب سے بڑا عبادت گزار ہی کیوں نہ ہو، راتوں کو قیام اللیل کرنے (تراویح اور تہجد) والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُواْ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ (الأنعام:٨٨) "اور اگر فرضا یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے"۔

اور اس کی عبادت ایسے ہی ہو جائے گی کہ جس نے غسل جنابت کے بغیر ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھ لی، یا یوں کہ وہ اس شخص کی طرح سے ہے جو سخت ترین گرمی میں روزہ رکھتا ہے، اور دن میں زنا کر لیتا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ اعمال کی بربادی کی دو نوعیت بیان فرماتے ہیں:

١- عام: اس کی صورت یہ کہ مرتد ہونے سے آدمی کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں، اور توبہ سے سارے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

۲-خاص: کچھ نیکیاں برباد ہوں، اور کچھ برائیاں ختم ہوں اور یہ جزئی بربادی ہے (کتاب الصلاۃ لابن القیم:۸۶)۔

مصنف فرماتے ہیں: شرک کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہنے والوں میں سے ہوگا۔

یہاں سے مصنف رحمہ اللہ شرک اکبر کے جرم پر مرتب ہونے والا تیسرا حکم بیان فرماتے ہیں، کیونکہ اگر مشرک کی موت شرک پر بغیر توبہ کے ہوگئی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے لوگوں میں سے ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُواْ إِنَّ اللّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُواْ اللّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّهُ عَلَيهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾ (المائدۃ: ۷۲). ”بیشک وہ لوگ کافر ہوگئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں، حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل!

اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا"۔

آپ پر جب یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ شرک جب عبادت کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے تو اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے، اور دوسرے اعمال کو بھی برباد کر دیتا ہے، اور شرک کرنے والے کا ہمیشگی کا ٹھکانا جہنم بنا دیتا ہے، تو اس سے آپ کو پتہ چل گیا ہوگا کہ توحید کی اہمیت اور شرک کے فساد کے بارے میں علم رکھنا کتنا اہم اور کتنا ضروری ہے، امید کہ اللہ آپ کو شرک کے جال سے نجات دے، اور یہی وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا جال ہے جس کی سنگینی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ﴿إِنَّ اللّهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاء وَمَن يُشْرِكْ بِاللّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء:٤٨) "یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے

کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے، اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا“۔

شیخ الاسلام کے کلام میں ان قواعد و اصول کی اہمیت کا ذکر ہے، آپ نے اپنے دوسرے رسائل میں کئی مقامات پر ان اصول و قواعد کی اہمیت کو واضح کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱- ان قواعد و اصول کی معرفت اور اس کے فہم سے ایک موحد کے شرک میں واقع ہونے سے حفاظت ہو گی۔

۲-ان کے اندر لا اِلٰہ اِلا اللہ کا صحیح معنی و مطلب بیان کیا گیا ہے۔

۳- ان قواعد و اصول کی معرفت و جانکاری سے توحید اور شرک میں امتیاز ہوتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
شرک کے پھندے سے بچنے کے لیے چار قواعد واصول کی معرفت ضروری ہے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے اور انہی کے ذریعہ آدمی کلمہ شہادت لاإلہ إلا اللہ کے معنی کو صحیح طور پر جان سکتا ہے، نیز انہی کی مدد سے اہل اسلام اور اہل شرک کے درمیان تمیز پیدا کی جاسکتی ہے، آپ پر اللہ کی رحمتیں برسیں، اور آپ ان کے بارے میں غور وفکر کریں، اور اپنی فہم کو ان کی طرف موڑ دیں کیونکہ یہ نہایت نفع بخش ہیں(الدرر السنیۃ: ۲/۲۷)۔

مؤلف رحمہ اللہ کا قول: وہ شرک اکبر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے:﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاء وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا﴾(النساء:٤٨)"یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا، اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے، اور جو اللہ

تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے، اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا"۔

یہ بھی ایسے احکام کے قبیل سے ہیں جو شرک اکبر پر مرتب ہوتے ہیں، اور وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شرک اکبر کے ارتکاب کرنے والے کو معاف نہیں فرمائے گا جو توبہ کئے بغیر مر گیا، لیکن شرک اکبر کے علاوہ بقیہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر بغیر توبہ کئے مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے چاہے تو معاف کردے، یا چاہے تو سزا دے، اور یہی اس آیت کا معنیٰ و مقصود ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ چاروں اصول و قواعد کی معرفت ہی کے ذریعہ ہم شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے جال سے باہر نکل سکتے ہیں۔

قواعد: یہ قاعدہ کی جمع ہے، اور قاعدہ لغت میں بنیاد اور اساس کو کہتے ہیں، اور جب قواعد البیت بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود گھر کی بنیاد اور اساس ہوتی ہے (لسان العرب لابن منظور: ۷/ ۴۳۴)۔

علماء کی اصطلاح میں قاعدہ کی تعریف: جب علماء یہ فرمائیں کہ اس مسئلہ میں یہ قاعدہ ہے، یا یہ فرمائیں کہ اس باب میں اس طرح کا قاعدہ ہے تو اس سے مراد و مقصود: ایسے کلی قضیے (مسائل) ہوتے ہیں جن پر غور کرنے سے جزوی قضیے معلوم کر لئے جائیں (شرح مختصر الروضۃ للطوفی: ۱/۱۲۰)۔

اس کی مثال: ’’جس نے عبادت کو غیر اللہ کی طرف پھیر دیا، اس نے شرک کیا‘‘۔

یہ قضایا کلیہ میں سے ہے، لہذا اب اسی پر غور کرنے سے قضایا جزیہ کا یوں پتہ چلتا ہے کہ جس نے غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کیا، یا نذر مانی، یا سجدہ کیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ غور کرنے سے پتہ چلا کہ وہ مشرک ہے، اور ہمیں اس جزوی قضیے کا علم کلی قضیے پر غور کرنے سے حاصل ہوا، کیونکہ یہ سب عبادت ہیں، اور جو بھی عبادت کو غیر اللہ کی طرف پھیر دے، وہ مشرک ہے۔

معرفۃ: کسی چیز کی اصلی حالت کی جانکاری کو کہتے ہیں تعریفات

جرجانی(۸۱۲)۔

اللہ کا وصف کلمہ ”عارف“ (جاننے والا) کے ساتھ نہیں بیان کیا جاسکتا اور اس پر احمد بن حمدان نے قاضی ابویعلی محمد بن حسین سے اجماع بھی نقل کیا ہے (الکوکب المنیر :۱/ ۶۵،۶۶)۔اللہ تعالیٰ کو ”عالم“ کے وصف کے ساتھ متصف کیا جائے گا، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (المؤمنون:۹۲) ”وہ غائب وحاضر کا جاننے والا ہے، اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے“۔

اللہ کو کلمہ عارف سے متصف نہ کرنے کی علت یہ ہے کہ معرفت سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے پہلے جہل کا وجود تھا، جب کہ اللہ کا علم ازلی ہے، یعنی ازل سے ابد تک وہ عالم ہے، جہل سے اللہ کا دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں (تعریفات:۱۷۲)

اور اللہ کو وصف عارف سے متصف نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کلمہ معرفت علم اور ظن دونوں کو شامل ہے، لہذا ظن

(گمان) سے اللہ کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں (شرح الأصول من علم الأصول، عثیمین: ۲۵)۔

فائدہ: اسماء وصفات توقیفی ہیں (یعنی کتاب وسنت کے نصوص ہی سے ثابت ہوں گے) لہذا تمام بندوں پر واجب ہے کہ اس میں اور اس کے علاوہ تمام امور میں اہل سنت والجماعت کے منہج اور طریقے کو اپنائیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف کا مذہب یہ ہے کہ وہ اللہ کو انہیں اوصاف سے متصف کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ نے اپنی ذات کو خود متصف کیا ہے، یا رسول اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت کی ہے، وہ اس میں نہ تحریف (کتر بیونت) کرتے، اور نہ ہی تعطیل (یعنی ان کے معانی کا انکار)، اور نہ ہی اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی تمثیل (یعنی مخلوقات سے تشبیہ دینا) (الفتاویٰ: ۵/ ۲۶)۔

لیکن کیا علم الٰہی کو کلمہ ''یقین'' سے متصف کرنا درست ہے؟ جواباً عرض ہے کہ علم الٰہی کو ''یقین'' سے متصف نہیں کیا جا سکتا، یقین سے متصف نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ ''یقین'' ایسی چیز کے علم پر دلالت

کرتا ہے جس کا وجود پہلے نہ تھا"، ابن القطان رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب فتح الرحمٰن میں تفصیل سے بیان کیا ہے (فتح الرحمٰن: ۲۰)۔

مصنف کا قول: اللہ تعالیٰ نے ان قواعد کا ذکر قرآن میں کیا ہے۔

یہ فرما کر مؤلف -رحمہ اللہ- ان اصول و قواعد کے مراجع و مصادر بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ وہ قرآن سے ماخوذ ہیں، نیز مؤلف -رحمہ اللہ- کی کتابوں کی یہی امتیازی خوبی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے ٹھوس دلائل پر مبنی ہوتی ہیں۔

پہلا اصول

یہ جان لیں کہ جن کفار و مشرکین سے نبی اکرم ﷺ نے جنگ کی وہ اس بات کا اقرار کرنے والے تھے کہ اللہ ہی رازق، خالق اور مدبر ہے، لیکن ان کے اس اقرار و اعتراف نے انہیں اسلام میں داخل نہ کیا، یعنی وہ مسلمان قرار نہیں پائے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ والأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيَّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّهُ فَقُلْ أَفَلاَ تَتَّقُونَ﴾ (یونس:۳۱) ''اے محمد! آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق (روزی) پہنچاتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ''اللہ'' تو اُن سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے''۔

اس پہلے اصول کا معنی ومطلب:

۱- کفار و مشرکین مکہ جن میں رسول اللہ ﷺ نبی بنا کر بھیجے گئے وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، ان میں دین ابراہیمی کی بچی کھچی کچھ باتیں بھی پائی جاتی تھیں، اس لئے تعجب نہیں کہ وہ اللہ کو اپنا خالق ورازق مانیں اور اسے اپنے امور کے مدبر ہونے کے معترف ہوں، لیکن اس کے باوجود ان کے اس اعتراف واقرار نے کیا انہیں اسلام میں داخل کیا، اور ان کے خون ومال کی حفاظت کی؟۔

مصنف رحمہ اللہ نے قطعی اور ٹھوس دلیل سے یہ واضح فرمایا کہ کفار ومشرکین کے اس اقرار ربوبیت نے انہیں اسلام میں داخل نہ کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کافر ہونے کا حکم سنایا، اور اپنے نبی کو ان کے خلاف جنگ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

۲- امام عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس اصول کو کیوں بیان فرمایا:

امام رحمہ اللہ جس دور میں تھے اور جن حالات سے گزر رہے تھے اپنی گہری فکر ونظر والے شخص کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہو جائے

گی کہ امام رحمہ اللہ نے اس اصول کو کیوں واضح اور ثابت کیا، چونکہ اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے بیشتر لوگ اسلام کے منافی امور میں مبتلا تھے، اور قبر میں مدفون بزرگوں کی عبادت میں لگ گئے تھے، باوجود اس کے کہ ان کے پیشوا علماء کی ایک ایسی جماعت بھی موجود تھی جنہوں نے باطل کو حق کے لبادہ میں مزین کرکے پیش کیا تھا، امام رحمہ اللہ ان حقائق سے ناواقف نہ تھے، بلکہ اس صورت حال سے مکمل طور پر آگاہ تھے، جس کی وجہ سے ان کے انحراف کے سبب تک پہنچے، یعنی رسول اکرم ﷺ جس توحید کو لے کر آئے تھے اُس حقیقت سے وہ ناواقف تھے جس کی بنا پر وہ اس انحراف کا شکار ہوئے اُن کا اعتقاد یہ تھا صرف توحید ربوبیت ہی کو ماننا ہر آدمی پر واجب ہے، نیز جہالت یا تقلید کی وجہ سے ان کا یہ خیال بھی تھا کہ لاإلہ إلا اللہ کی شہادت (گواہی دینے) کا مطلب صرف اس بات کا ثابت کرنا ہے کہ اللہ خالق اور ایجادات پر قادر ہے، اس بنا پر جو شخص بعض کفریہ اعمال میں پڑ جاتا ہے جیسے غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنا، غیر اللہ سے مدد چاہنا، اور

اللہ کی مخلوقات میں ایسے لوگوں کو حاجت روائی کے لئے پکارنا جسے عطا کرنے کی صرف اللہ تعالیٰ کو طاقت وقدرت ہے، تو اسے مرتد نہ سمجھا جائے گا، جب تک کہ اس کا یہ اعتقاد موجود ہے کہ اس کائنات میں صرف ایک اللہ ہی مؤثر ہے (دعاوی المناوئین: عبد العزیز عبد اللطیف / ۱۹۳-۱۹۴)۔

لہذا اس اعتقاد کے رد وابطال میں امام رحمہ اللہ نے اس قاعدہ کو واضح اور ثابت کیا کہ وہ کفار ومشرکین جن سے اللہ کے نبی ﷺ نے جنگ کی، وہ بھی تو توحید ربوبیت کا اقرار کرنے والے تھے، اس کے باوجود اس اقرار واعتراف نے انہیں مسلمان نہ بنایا۔

۳- دیگر دلائل کے ذکر کے ساتھ آیت کریمہ سے مذکورہ اصول کا وجہ استدلال:

توحید کے مفہوم میں قبر پرستوں کے انحراف کا خلاصہ کچھ اس طرح ممکن ہے کہ ان کا یہ گمان ہے کہ توحید ربوبیت ہی کے لیے رسول ﷺ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اور اسی کو لے کر مخالفین سے دشمنی ہوئی اور ان کے خلاف جنگیں ہوئیں، اور اسی کے اعتراف سے دنیا میں جان ومال

کے عصمت و تحفظ اور آخرت میں نجات حاصل ہو گی، اور یہ کہ لاالٰہ الا اللہ کا معنی یہ اقرار واعتراف ہے کہ اللہ خالق ورازق اور تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے قرآن کی واضح دلیل کی روشنی میں اس اعتقاد کو صحیح اعتقاد کے مخالف اور نقیض ہونے کو واضح فرمادیا، مذکورہ آیت کریمہ کی یہ تشفی بخش وضاحت کا خلاصہ درج ذیل دو باتیں ہیں:

ا- کفار و مشرکین بھی اس بات کا اقرار کرنے والے تھے کہ اللہ ہی ان کا خالق ورازق اور ان کے تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے، لیکن اس اقرار کے باوجود وہ مسلمان قرار نہ پائے، نیز اسی جواب پر اللہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (الزخرف:۸۷) "اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں"۔

یعنی ہمارا رازق، ہمارے آنکھ، کان اور موت وزندگی کا مالک، اور

تمام امور کا مدبر اللہ ہی ہے، اور اس کا اقرار کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے، سابقہ آیت میں اچھی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کچھ یوں بیان کیا ہے:﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (الزخرف:۸۷).

۲- محض اس توحید ربوبیت کے اقرار سے جہنم سے نجات حاصل نہیں ہوسکتی، اسی بات کی وضاحت آیت کے آخری حصہ سے ہوتی ہے، اس بناپر کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب سے بچنے کا مطالبہ کیا، کیونکہ اگر اس اقرار سے بچاؤ ونجات حاصل ہوتی تو ان سے مطالبہ کیونکر کیا جاتا ہے ؟!۔

ابن جریر (رحمہ اللہ) آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں:﴿لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ یعنی وہ آپ کو یہ کہتے ہوئے جواب دیں گے کہ جو سب کچھ کرتا ہے وہی اللہ ہے۔

﴿قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (المؤمنون:۸۷)(تو آپ ان سے فرمادیجئے کہ تو پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں) یعنی اپنے اس شرک پر اور ایسے

رب کے پکارنے پر جس کی صفت اس حقیقی معبود کی صفت کے علاوہ ہے اس کی پکار سے اللہ سزا سے کیوں نہیں ڈرتے (تفسیر ابن جریر: ۷/ ۱۱۴)۔

جہاں تک ان لوگوں کا گمان کہ لا إلہ إلا اللہ کا مطلب اللہ کے سوا کوئی خالق ورازق اور مدبر نہیں، اور اس معنی کی دلالت، دلالت مطابقی ہے یعنی معنی لفظ کے مطابق ہے، دوسروں لفظوں میں کلمہ لاإلہ إلا اللہ سے مراد توحید ربوبیت دلالت مطابقت کے اعتبار سے ہے۔ ان کا یہ ظن وگمان باطل ہے، کیوں کہ جس کو اللہ نے قرآن میں تدبر اور غور وفکر کی توفیق دی، اور جس کو اللہ کے نبی کی سیرت طیبہ میں اور آپ کی اپنی قوم کی دعوت میں غور وفکر کی توفیق دی اس کے لیے کہ یہ بات آسان ہے کہ وہ اس اعتقاد کے فساد وبطلان کو سمجھ لے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا معنی بیان فرمایا ہے، اور اس کے معنی کی وضاحت اپنے سوا کسی اور کے سپرد نہیں کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ کلمہ (لا إلہ إلا اللہ) کا معنی ماسوا اللہ کی عبادت کی نفی اور صرف اللہ کی عبادت کا اثبات ہے، یعنی اللہ کے علاوہ سب سے حقیقی

عبودیت کی نفی، اور صرف ایک اللہ کی عبادت کا اثبات ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاء مِّمَّا تَعْبُدُونَ ☆ إِلا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ☆ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الزخرف:٢٦-٢٨) ''اور جب کہ ابراہیم نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اُن چیزوں سے بے زار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ☆ بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا ☆ اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کر گئے تا کہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں''۔

فائدہ: کوئی لفظ کی معنی پر دلالت کرے ایسی دلالت کی تین قسمیں ہیں:
(۱) دلالت مطابقت یا دلالت تطابق: اگر لفظ سے اس کا پورا معنی مراد لیا جائے تو اسے دلالت مطابقت کہتے ہیں، کیونکہ لفظ معنی کے مطابق ہوتا ہے، (۲) دلالت تضمنی: اگر لفظ سے جزئی معنی مقصود ہو تو

اسے دلالت تضمنی کہتے ہیں، کیونکہ وہ جزءاس معنی کے ضمن میں ہوتا ہے، جس کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے، (۳) دلالت التزامی: اگر لفظ سے اس کے معنی کے لزوم پر دلالت مقصود ہو تو وہی دلالت التزامی کہلاتا ہے (شرح القصیدۃ النونیۃ لابن القیم / خلیل الہراس: ۲/ ۱۳۵)۔

فائدۃ: علامہ عبدالرحمٰن بن قاسم -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: اس عظیم کلمہ شہادت لاالہ الااللہ کا معنی یہ ہے کہ برحق کوئی معبود نہیں مگر صرف ایک اللہ، بلکہ اللہ کے علاوہ جتنے معبود ہیں اُن کی الوہیت اور عبادت انتہائی درجہ باطل ہے، یعنی اُن کا معبود ہونا سراسر باطل ہے، نیز کلمہ لاإلہ إلااللہ کی دلالت توحید الوہیت پر دلالت مطابقت ہے، ایسا ہرگز مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل کلمہ کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ خالق ورازق اللہ ہی ہے، لاإلہ إلااللہ کا کلمہ توحید الوہیت ہے، اور دلالت تضمنی کے اعتبار سے وہ اللہ کے خالق ورازق ہونے پر دلالت کرتا ہے، لیکن حقیقت میں کلمہ ''لاإلہ إلااللہ'' توحید الوہیت ہی کے لیے وضع کیا گیا ہے یعنی اللہ رب العزت کے لیے ہر طرح کی عبادت کو خاص کردینا

(حاشیۃ ثلاثۃ الأصول:۵۰)۔

وہ کونسا کلمہ تھا جسے ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنی ذریت (اولاد) میں چھوڑا، اور اپنی قوم سے خطاب میں اس کے معنی کو مقدم رکھا، سوائے اس کلمہ کے کہ وہ تمام معبودوں سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں، اور موجود اللہ واحد کے مستحق عبادت ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادۃ اور سدی وغیر مفسرین ہم نے فرمایا کہ اس کلمہ سے مراد جو قرآن کریم میں وارد ہوا ہے، کلمہ توحید لا إلہ إلا اللہ ہے جسے ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہمیشہ لوگ کہتے رہے (تفسیر ابن کثیر:۹۲۱/۴)۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کلمہ کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک وساجھی نہیں، اور اللہ کے سوا جتنے بت ہیں سب سے اپنے آپ کو جدا کرنا ہے، یعنی صرف ایک اللہ ہی معبود برحق ہے (ابن کثیر:۹۲۱/۴)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ”لا اِلٰہ اِلا اللہ“ کے معنی کو خوب واضح کرتا ہے: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ☆وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ﴾ (الصافات: ٣٥-٣٦) ”یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے ☆اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں گے“۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کے معنی کی دلالت مطابقی یہ نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق و رازق اور مدبر نہیں، واضح رہے کہ مشرکین نے بھی یہی معنی سمجھا تھا، جس کی بنا پر ”لا اِلٰہ اِلا اللہ“ سے اعراض کیا، اگر اس کلمہ کا معنی وہی ہوتا جس کے وہ اعترف اور اقرار کرنے والے ہوتے تو لا اِلٰہ اِلا اللہ سے کیوں انکار کرتے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکینِ قریش نے لا اِلٰہ اِلا اللہ کا کیا مطلب سمجھا تھا، واضح رہے کہ انہوں نے اس کلمہ کا بالکل صحیح معنی

سمجھا تھا یعنی اللہ کے علاوہ جتنے معبود ہیں سب کو چھوڑ دینا، اور صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرنا، اسی وجہ سے انہوں نے یوں کہا: ﴿وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ﴾ (الصافات:٣٦) ”اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں گے“۔

مشرکین کے نزدیک کلمہ لاالٰہ الا اللہ کا معنی یہی تھا کہ اللہ کے سوا جتنے معبود ہیں سب کو چھوڑ دیا جائے۔

نیز اس صحیح اور حقیقی معنی کی جس کو مشرکین نے سمجھا تھا مزید تاکید ہوئی، اس وقت ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ کہتے ہوئے دعوت دی: (قولوا: لا إله إلا الله) کہو اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں تو انہوں نے یوں جواب دیا: ﴿أَجَعَلَ الآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص:٥) ”کیا اُس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا، واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے“۔

کفار و مشرکین نے یہی سمجھا کہ اس کا معنی تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنانا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کیا یہ گمان کیا کہ ایک ہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مشرکین نے اس کا انکار کر دیا، (اللہ انہیں رسوا کرے) اور اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے پر تعجب کرنے لگے، چونکہ ان کو بتوں کی عبادت اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملی تھی، اور اسی سے اُن کے دلوں کو خوب سیراب کیا گیا تھا (تفسیر القرآن العظیم: ۴/ ۸۲)۔

ان قرآنی دلیلوں سے یہ واضح ہو گیا کہ کلمہ توحید میں "اِلٰہ" کا معنی "معبود" ہے، اور اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے، برخلاف ان قبر پرستوں کے جن کا اعتقاد یہ ہے کہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا معنی "لا خالق اَو قادر علی الاختراع اِلا اللہ" یعنی اللہ کے علاوہ کوئی پیدا کرنے والا اور ایجاد پر قدرت رکھنے والا نہیں ہے۔

بے شک جب انہوں نے کلمہ کا یہ معنی نکال لیا تو وہ اپنی سمجھ سے

توحید میں آخری درجے کو پہنچ گئے، اب وہ غیر اللہ کی عبادت جیسے چاہیں ویسے کریں، (تیسیر العزیزالحمید، سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب)۔

پہلے اصول کی شرح کا خلاصہ

۱- کفار و مشرکین جن سے نبی کریم ﷺ نے قتال کیا وہ توحید ربوبیت کا اقرار کرنے والے تھے، لیکن ان کے اس اقرار و اعتراف نے نہ انہیں اسلام میں داخل کیا، اور نہ ہی ان کی جان و مال کی حفاظت کی۔

۲- قبر پرستوں کا یہی اعتقاد ہے کہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا معنی توحید ربوبیت ہے، اور اس اعتراف سے اسے مسلمان سمجھا جائے گا، اور اسی اعتراف سے اس کے جان و مال محفوظ ہوں گے، لیکن کتاب و سنت اور اجماع کے دلائل کی روشنی میں یہ اعتقاد باطل ہے۔

دوسرا اصول

مشرکین کہتے ہیں: ہمارا غیر اللہ کو پکارنا اور ان کی طرف متوجہ ہونے کا مقصد صرف شفاعت اور تقرب الٰہی کا حصول ہے

قربت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو: ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء مَا نَعْبُدُهُمْ إِلا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ (الزمر:٣)

''اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں، (اور کہتے ہیں) کہ ہم اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں، یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کررہے ہیں (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا، جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا''۔

اور شفاعت کی طلب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ملاحظہ ہو:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّهِ مَا لاَ يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنفَعُهُمْ

وَيَقُولُونَ هَؤُلاء شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ﴾ (یونس:١٨)

”اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُن کو نقصان پہنچا سکیں اور نہ اُن کو نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں“۔

شفاعت کی دو قسمیں ہیں:

١-ناجائز شفاعت۔

٢-مشروع اور جائز شفاعت۔

ناجائز شفاعت: غیر اللہ سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کیا جائے جس پر اللہ کے علاوہ کوئی بھی قادر نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لاَّ بَيْعٌ فِيهِ وَلاَ خُلَّةٌ وَلاَ شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (البقرة:٢٥٤)

”اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کے وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت، اور کافر ہی ظالم ہیں“۔

مشروع اور جائز شفاعت: یہ ایسی شفاعت ہے جو اللہ سے طلب کی جائے ، اور شفاعت کرنے والے کی شفاعت کی قبولیت میں اس کی تکریم واحترام ہے ، شفاعت کی اجازت مل جانے کے بعد اللہ تعالی جس کے قول و عمل سے راضی ہو اس کے لئے شفاعت کی اجازت ہو گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إلا بإذنه﴾ (البقرة: ٢٥٥) "کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے"۔

کفار و مشرکین کا شفاعت اور تقرب کے لیے غیر اللہ کو پکارنا بڑا اہم اصول ہے، کیونکہ شفاعت کے موضوع سے اس اصول کا بہت گہرا ربط و تعلق ہے،اس لیے کہ قدیم وجدید دور کے مشرکین شفاعت کے چکر ہی میں اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کر بیٹھے۔

شفاعت کا لغوی معنی:

شفاعت عربی (جڑواں) میں طاق کے برعکس ہے، یعنی جفت وجوڑا۔

جب بولا جائے: شفع لی يشفع شفاعة ويتشفع، تو اس کا معنی ہو تا ہے: طلب

کیا، شافع کی جمع شفعاء ہے، اور استشفعہ کا معنی ہے اس سے شفاعت طلب کی (لسان العرب:۸ / ۱۸۳-۱۸۴)۔

شفاعت کا اصطلاحی معنی:

شفاعت کی متعدد تعریف کی گئی ہے انہیں میں سے ایک جامع تعریف یہ ہے: دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی خاطر یا اسے نقصان سے بچانے کے لئے وسیط (بچولئے کا کام کرنے والا) بننا (شرح لمعۃ الاعتقاد لابن عثیمین (۱۲۸)۔

شفاعت کی یہ جامع تعریف ہے جو دینی ودنیاوی تمام کاموں کو شامل ہے۔

ا-دوسرے اصول کا معنی ومفہوم:

عربوں کے نزدیک بت پرستی شرک کے بہت بڑے مظہر کے طور پر رائج تھی حتی کہ ان کے گھروں میں بت رکھے ہوتے تھے جن کی وہ پوجا کرتے، یہی نہیں بعض ایسے عربی قبائل بھی تھے جنہوں نے عبادت کی خاطر مخصوص قسم کی مورتیاں بنا رکھی تھیں جیسے قبیلۂ طی وانعم کے خاص بت جس کا نام ''یغوث'' اور قبیلہ کلب کا خاص بت ''ود''

تھا(سیرۃ ابن ہشام:۱/ ۹۷)۔

تعجب تو یہ ہے کہ ان بتوں کی بڑے پیمانے پر عبادت کی جاتی تھی جب کہ ان کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ یہ محض لکڑیوں اور پتھروں سے بنائے ہوئے بت تھے۔

ان بتوں کی اصل یہ تھی کہ انہیں ایک غائب معبود کی شکل میں ڈھالا گیا تھا، اور اسی شکل وہیئت پر ان کی مورتیاں بنالی گئی تھیں تاکہ یہ معبود کے نائب و قائم ومقام ہو سکیں، ورنہ یہ بات خیالی اور تصور سے دور کی ہے کہ ایک عقل مند آدمی اپنے ہاتھوں سے لکڑی اور پتھر سے بت تراشے اور مورتی بنائے اور گڑھے اور پھر اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ اس کا معبود ہے (إغاثۃ اللہفان لابن القیم: ۲/ ۱۸۲)۔

کفار ومشرکین کو اس بات کا اقرار تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق، مالک اور مدبر ہے، روزی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے اور یہ بت مخلوق ہیں، اس کے باوجود ان کو کس چیز نے ان بتوں اور مورتیوں کو پوجنے پر آمادہ کیا؟ (قاعدہ فی التوسل والوسیلہ لشیخ الإسلام ابن تیمیہ: ۱/ ۳۸)۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں بیان فرمایا کہ کفار و مشرکین کو بتوں کی پوجا پر جس چیز نے آمادہ کیا وہ ان سے اللہ کے حضور شفاعت کی طلب تھی اور یہ کہ یہ عمل ان کو اللہ سے قریب کر دیں گے، اس لیے کفار و مشرکین نے جب فرشتوں، نبیوں اور نیک لوگوں کو اپنے سفارشی ہونے کا اعتقاد بنالیا، تو ان کے مجسمے بنائے، اور کہنے لگے کہ ان مجسموں اور مورتیوں سے ہمارا سفارش طلب کرنا حقیقت میں انہیں (فرشتوں، نبیوں اور صالحین) سے سفارش چاہنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر وشرک کا حکم لگایا (قاعدہ التوسل والوسیلہ لشیخ الإسلام ابن تیمیہ: ٣٣)۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اس اصول کو کیوں ثابت کیا؟

٢-اس بات کی وضاحت گزر چکی ہے کہ گزرے ہوئے بزرگوں کے شرک میں واقع ہونے کا سبب اللہ سے تقرب کا حصول اور شفاعت کی تلاش ہی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو (اپنا) نبی ورسول بنا کر بھیجا، آپ ﷺ نے صاف صاف بیان فرمادیا کہ یہ کفر وشرک ہے، اور رب کے شان میں ہتک آمیز رویہ ہے، پھر آپ ﷺ نے ان

سے بھرپور جنگ کی یہاں تک کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے عقائد کو ترک کر دیا، اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے، لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایسا زمانہ آجائے گا کہ بات جہاں تھی وہیں دوبارہ پہنچ جائے گی اور لوگ دوبارہ قبروں کے پجاری اس عذر کی بناء پر ہوں گے کہ اللہ کی عبادت میں وہ شرک اسی سبب سے کر رہے ہیں بت پرستوں نے جس کو بنیاد بنا کر ہی بت پرستی شروع کی تھی کہ ان کا مقصد بتوں کی اس پوجا پاٹ سے صرف اللہ کا تقرب اور شفاعت کا حصول ہے،لہذا امام رحمہ اللہ نے اس اصول کو ثابت کیا تاکہ اس بات کی وضاحت کر دیں کہ یہ کام تو گزرے ہوئے لوگوں کا شرک ہے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اس زمانہ میں جو دعا و پکار کی جاتی ہے اس کی متعدد قسمیں ہیں............

انہی قسموں میں سے ایک اہم قسم یہ ہے کہ آدمی اللہ کو پکارے اور اسی کے ساتھ نبی اور ولی کو بھی پکارے، اور کہے کہ میں ان کی شفاعت چاہتا ہوں، ورنہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی نفع و نقصان نہیں

پہنچا سکتے چونکہ میں گنہگار ہوں اور اس صالح نیک آدمی کو پکارتا ہوں تاکہ وہ میرے لئے شفاعت کردے، یہ وہی فعل ہے جسے کفار ومشرکین کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف اس وقت تک جہاد جاری رکھی جب تک کہ انہوں نے یہ کام چھوڑ نہ دیا (الدرر السنیۃ: ۲/ ۲۳- ۸۴)۔

۳- مذکورہ بالا دو آیتوں سے وجہ استدلال کی وضاحت:

ان دونوں آیتوں نے درج ذیل جملہ حقائق کی نشاندہی کی۔

۱- تقرب اور شفاعت کی خاطر عبادتِ الٰہی کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا کفار ومشرکین کا دین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر کی ابتدائی آیتوں میں اس کی صراحت فرمائی ہے، مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر آپ سورۃ الزمر کی ابتدائی آیتیں پڑھیں گے تو پتہ چلے گا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس میں دینِ اسلام اور دین کفار نیز ان کے مقاصد کو بیان کیا ہے (الدرر السنیہ: ۱/ ٦٠)۔

۲- بندے اور اس کے رب کے درمیان سفارش کرنے والے کو رکھنا، شرک، اور بڑا کفر ہے، اور رب العالمین کی تنقیص و توہین ہے، اس کے لیے عذر و معذرت جھوٹی بات ہے جو قابل قبول نہیں، اس بات کی

دلیل مذکورہ دونوں آیتوں کے آخر میں بیان ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (یونس:١٨)

"وہ (اللہ کی ذات) پاک اور برتر ہے، اُن لوگوں کے شرک سے"۔

نیز فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ (الزمر:٣) "یقیناً اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو راہ نہیں دکھاتا"۔

جب اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ طلب شفاعت کی خاطر ہی کفار ومشرکین غیر اللہ کی عبادت میں پڑے، تو یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ نے اپنی ذات کی پاکی بیان فرمادی یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ ایسا فعل ہے جو رب کی تنقیص و توہین کا باعث ہے۔ لہذا جب جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی پاکی بیان فرماتا ہے، تب تب کسی بھی بری چیز کے اوصاف سے اس کی ذات کی پاکی بیان کرنا ہے۔

نیز مؤلف –رحمہ اللہ– نے کفار کے اس فعل کو شرک کا نام دیا،

پس جو شخص انہی جیسا کام کرے گا وہ کفار و مشرکین کے گروہ ہی سے ہو گا۔

دوسری آیت میں اسے شدید کفر کہا ہے، ''کفار'' مبالغہ کا صیغہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا کفر اپنی حد کو پہنچا ہوا تھا (یعنی انتہائی درجے کا کفر تھا)۔

سفارش بنانے میں قبر پرستوں کو یہ شبہ لاحق ہوا کہ انہوں نے اس سے رب کی تعظیم و تکریم کا ارادہ کیا، اور اس میں قیاس اولی ہی پر اعتماد کیا ہے، انہوں نے رب تعالیٰ کو اس زمین پر موجود بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح کا سمجھا، جن سے بغیر کسی واسطے کے کچھ بھی مطالبہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ان کی تعظیم و تکریم کی خاطر درمیان میں سفارشی کا ہونا لازمی ہے، لہذا اللہ کی ذات تو اس سے کہیں زیادہ حقدار اور بہتر ہے اس تک پہنچنے کے لیے کسی کو بیچ میں ڈالا جائے۔

اس شبہ کا جواب:

یہ بالکل محال ہے کہ رب کریم کو بادشاہوں اور بڑوں جیسا قرار دیا

جائے اور ان پر رب کریم کو قیاس کیا جائے، اسی فاسد قیاس کی بنا پر بتوں کی پوجا ہونے لگی، اور کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو سفارشی اور ولی (دوست) بنالیا۔

یہ قیاس اس بنا پر فاسد ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے، خالق اور مخلوق کے درمیان فرق، رب اور مربوب (جس کی پرورش کی جائے) کے درمیان فرق، اسی طرح مالک اور غلام، مالدار اور فقیر کے درمیان فرق ہے، رب وہ ہے جو قطعاً کسی کا محتاج نہیں اور ہر اعتبار سے سب اس کے محتاج ہیں، ان لوگوں کے درمیان سفارش کرنے والے بادشاہوں اور بڑوں کے شریک اور ساجھی دار ہوتے ہیں، اور جن سے اُن کے مصالح جڑے ہوتے ہیں وہی ان کے اعوان وانصار ہوتے ہیں، پس بادشاہوں اور بڑوں کا اپنے وزراء اور قریبی لوگوں کی سفارش قبول کرنا صرف اس واسطے ہوتا ہے کہ بادشاہ انھی وزراء کے محتاج ہوتے ہیں اس لیے ان کی شفاعت (سفارش) کی قبولیت کے محتاج ہیں، اور اس بات سے گھبراتے ہیں کہ ان کی سفارش کے نہ قبول کرنے

کی صورت میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری میں نقص و کمی واقع نہ ہو جائے، اسی وجہ سے ان کے پاس جاتے ہیں، تو ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں پاتے، لہذا ان کی شفاعت کی قبولیت کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے بے نیاز ہے، یہ بے نیازی اس کی ذات کو لازم ہے، جو بھی اس کے علاوہ ہیں سب کے سب اللہ کی ذات کے محتاج ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة:۲۵۵) ''اس کی ملکیت میں زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں ہیں، کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے''۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی کہ سارے آسمانوں اور زمین کا وہی تنہا مالک ہے، لہذا اس صورت میں ضروری ہے کہ تمام شفاعتیں صرف اللہ ہی کے لیے ہوں، اور کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا، کیونکہ کوئی اللہ کا شریک نہیں، بلکہ

سب محض غلام ہیں جب کہ اس کے بر خلاف اہل دنیا ایک دوسرے کے حق میں سفارش کرتے رہتے ہیں (اغاثۃ اللہفان: ۱/ ۲۰۳، ۲۰۴، تفسیر سعد: ۷۱۸)۔

جب مصنف رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ پہلے لوگوں کے شرک میں واقع ہونے کی وجہ طلب شفاعت ہی تھی، تو اس کے بعد وضاحت فرمائی کہ شفاعت کی دو قسمیں ہیں۔

۱-ناجائز شفاعت:

یہ ایسی شفاعت ہے جس کی اللہ عزوجل نے نفی فرمائی ہے، اور کفار و مشرکین اور انہی جیسے اس امت کے نادان و بے علم لوگوں نے اسے روا رکھا ہے (قاعدہ فی التوسل والوسیلہ: ۲۰۸)۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس شفاعت کی تعریف یوں کی ہے کہ ناجائز شفاعت وہ ہے جو غیر اللہ سے طلب کی جائے، ناجائز اور غیر مشروع شفاعت کی تعریف ایسے بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ ایسی شفاعت ہے جس میں ثابت اور مشروع شفاعت کی شرطوں میں سے کوئی شرط نا پائی

جائے، نیز مصنف رحمہ اللہ نے اس شفاعت کے متعلق درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لاَّ بَيْعٌ فِيهِ وَلاَ خُلَّةٌ وَلاَ شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (البقرة:٢٥٤) ”اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کے وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت، اور کافر ہی ظالم ہیں“۔

۲- مشروع اور ثابت شفاعت: مؤلف نے اس کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ یہ وہ شفاعت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائے، پھر اس شفاعت کی دو شرطیں ہیں:

۱- شفاعت کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت۔

۲- جس کے لئے شفاعت کی جائے اس سے راضی ہونا؛ یعنی وہ موحد ہو، جیسا کہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

أَنَّهُ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لا يَسْأَلُنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ، لا إِلَهَ إِلا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ، أَوْ نَفْسِهِ (صحيح البخاري/ كتاب العلم: ٩٩).

”رسول اکرم سے کہا گیا: اللہ کے رسول! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی سعادت کا سب سے زیادہ کون مستحق ہو گا؟ فرمایا: ”ابو ہریرہ! مجھے یقین تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھے گا، کیوں کہ میں نے حدیث کے متعلق تمہاری حرص اور دلچسپی دیکھ لی تھی، سنو! قیامت میں میری شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہو گا جو سچے دل سے ”لاالٰہ الا اللہ“ کہے گا“، یعنی توحید خالص کا اقرار کرے گا۔

مؤلف -رحمہ اللہ- کا قول: (شفاعت کرنے والا معزز و مکرم ہے)۔

اس جملہ میں شفاعت کی حکمت کا بیان ہے کہ شفاعت سے جو فائدہ حاصل ہوگا اللہ عز وجل اس کو ابتداء ہی میں دینے پر قادر ہے، وہ انسانوں کے درمیان فیصلہ کرے گا، نافرمانوں و گنہگاروں کو جہنم سے نکال لے گا، اور بعض جنتیوں کے درجات و مراتب کو بغیر کسی شفاعت کے بلند کرے گا، لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بلیغ حکمت ہے، اور اسی میں سے شفاعت کرنے والے کی عزت و تکریم بھی ہے، اور اس کی دو صورت ہے:

۱- جس کے لئے شفاعت کی جارہی ہے اس پر شفاعت کرنے والے کی فضیلت کا اظہار۔

۲- اللہ کے نزدیک شفاعت کرنے والے کے مرتبہ ومقام کا اظہار (القول المفید شرح کتاب التوحید لابن عثیمین: ۳۴۵-۳۴۶)۔

یہاں شفاعت سے متعلق ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے کسی نبی یا ولی (بزرگ) کو صرف شفاعت کے لئے پکارا؟۔

درج ذیل چار مقدمات سے اس کے جواب کا خلاصہ کچھ اس طرح ممکن

ہے:

۱-شفاعت دعا کی ایک قسم ہے (الفتاویٰ:۱/ ۲۰۰)۔

۲-شفاعت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿قُل للهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾ (الزمر:٤٤).

"کہہ دیجئے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے"۔

۳-جب شفاعت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے تو اسی سے اس کا طلب کرنا واجب ہے۔

۴-جس نے اللہ کے علاوہ ایسی چیزوں کی مدد کے لئے کسی کو پکارا جو اللہ کے علاوہ اس کی بجا آوری پر قدرت نہیں رکھتے، تو وہ مشرک ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مردوں سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے۔

علامہ سلیمان بن عبداللہ آل الشیخ -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو صرف شرک کا حکم شفاعت کرنے والوں کی عبادت (پوجا) کرنے والوں پر لگایا ہے، لیکن جو صرف انہیں شفاعت کے لئے پکارتے ہیں، وہ ان کی عبادت نہیں

کرتے، لہذا یہ شرک نہیں ہو گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کو صرف سفارشی بنانے ہی سے شرک لازم ہو جاتا ہے، اور اس کے لیے شرک اور سفارشی بنانا دونوں یوں ہی لازم وملزوم ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے شرک اور رب سبحانہ وتعالیٰ کی تنقیص وتوہین دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں، وہ چاہے مانے یا انکار کرے، اس بنا پر اصلاً یہ سوال ہی باطل ہے، جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں، اور یہی وہ چیز تھی جسے مشرکین نے اپنے ذہن ودماغ میں بٹھا رکھا تھا، کیونکہ دعا عبادت ہے، بلکہ عبادت کا مغز ہے، لہذا جس کسی نے انہیں شفاعت کے لئے پکارا تو یقیناً چاہتے یا نا چاہتے ہوتے ان کی عبادت کی، اور اللہ کی عبادت میں ان کو شریک کیا (تیسیر العزیز الحمید: ۲۴۳)۔

شیخ احمد بن عیسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ نے یہ بتایا ہے کہ تمام اقسام کی شفاعت اللہ ہی کے لئے خاص ہے، تو جس نے اللہ کے علاوہ کسی سے شفاعت طلب کی گویا اس نے

ایسے شخص سے طلب کیا جو نہ اس کا مالک ہے، نہ وہ اسے سنتا ہے نہ ہی اسے عطا کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اور وہ اس وقت کے علاوہ ہے جس میں شفاعت واقع ہوتی ہے، اور نہ ہی اسے شفاعت کی قدرت حاصل ہے سوائے اس کے جس کی شفاعت کے لئے اللہ کی رضا ہو، تو اس صورت میں وہ مقبول ہو گی، لہذا دنیا میں اس شخص کے لئے شفاعت طلب کرنا جس کے لئے شفاعت کی اجازت ہے جملہ عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے، اور پھر اسے غیر اللہ کی طرف پھیرنا شرک عظیم ہے (الرد علی شبہات المستغیثین بغیراللہ۔ ۴۷، ۴۸، فتاویٰ: ۱/ ۲۴۱، ۱۶۰، ۱۶۱)۔

دوسرے اصول کی شرح کا خلاصہ

۱- شفاعت کی طلب اور تقربِ الٰہی کی خاطر غیر اللہ کی طرف عبادت پھیرنا کفار ومشرکوں کا دین ہے۔

۲- بندے اور رب کے درمیان سفارشی بنانا شرک، سخت کفر اور اللہ رب العالمین کی تنقیص وتوہین ہے۔

۳- قبر کے پجاریوں کا یہ دعویٰ کہ شفاعت سے ان کا مقصد رب کی تعظیم ہے، اس سے تعظیم نہیں ثابت ہوتی، بلکہ اس میں رب کی توہین وتنقیص ہے، کتنے ایسے ہیں جو کسی شخص کی تعظیم کا قصد کرتے ہیں حالانکہ اس سے ان کی توہین ہوتی ہے۔

۴- قرآن میں شفاعت کی دو قسم ہے ایک ناجائز شفاعت، اور دوسری شروط کے ساتھ مشروع اور ثابت شفاعت۔

۵- مشروع اور جائز شفاعت کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سفارش کرنے والے کی فضیلت کو ظاہر اور اس کی قدر ومنزلت بیان کی ہے۔

۶- جس نے نبی یا ولی (پیر) کو شفاعت کے ارادے سے پکارا وہ مشرک ہے۔

تیسرا اصول

نبی کریم ﷺ ان تمام لوگوں پر غالب آئے جو اپنی عبادتوں میں متفرق تھے، ان میں سے کچھ فرشتوں کو پوجتے اور کچھ انبیاء وصالحین کو، کچھ درختوں اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے، اور بعض سورج وچاند کے آگے سر جھکاتے تھے، آپ ﷺ نے ان سب سے جنگ کی اور ان کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہیں کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّه﴾ (الأنفال:٣٩) .

"اور تم اُن سے اس حد تک لڑو کہ اُن میں شرک کا فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ ہی کا ہو جائے"۔

اور سورج وچاند کی پوجا کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لاتَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (فصلت:٣٧).

”اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کا کرو، جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے“۔

فرشتوں کی عبادت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ﴿وَلاَ يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُواْ الْمَلاَئِكَةَ وَالنِّبِيِّيْنَ أَرْبَابًا﴾ (آل عمران: ۸۰) ”اور یہ نہیں (ہو سکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے“۔

انبیاء ورسل کی پوجا کے بارے میں اللہ کا یہ قول ملاحظہ ہو: ﴿وَإِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِن دُونِ اللّهِ﴾ (المائدة:١١٦) ”اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے اُن لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو“۔

نیک اور صالح لوگوں کی عبادت کے متعلق اللہ کا قول: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ (الإسراء:۵۷)
”جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ اُن میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے ،وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں“۔
درختوں کے بارے میں اللہ کا یہ فرمان پڑھیں:
﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللاتَ وَالْعُزَّى☆وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الأُخْرَى﴾ (النجم:۱۹-۲۰)
”کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا☆اور منات تیسرے پچھلے کو“
حدیث ہے:

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ، مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِينَ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ، يُعَلِّقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ، فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «سُبْحَانَ اللّٰهِ! هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى: اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، وَالَّذِي نَفْسِي

بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ».

ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے لیے نکلے تو آپ کا گزر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے ہوا جسے ذات انواط کہا جاتا تھا، اس درخت پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجئے جیسا کہ مشرکین کا ایک ذات انواط ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سبحان اللہ! یہ تو وہی بات ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ ہمارے لیے بھی معبود بنا دیجئے جیسا ان مشرکوں کے لیے ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم گزشتہ امتوں کی پوری پوری پیروی کرو گے (سنن الترمذی: کتاب الفتن، باب: ماجاء لترکبن سنن من کان قبلکم (۲۱۸۰) صحیح۔

ا- تیسرے اصول کا معنیٰ اور مفہوم:

عربوں کی اکثریت نے اسماعیل علیہ السلام کی دعوت پر دین ابراہیمی کو قبول کیا، وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے، اور دین ابراہیمی کو اپنا دین بنایا، جب ایک لمبی مدت گزر گئی تو جس دین کی ان کو دعوت دی گئی تھی اسے بھلا بیٹھے اور شرک میں مبتلا ہو گئے، وہ گمراہی کی ہر وادی میں آوارہ پھرنے لگے، بعض لوگ بتوں کی عبادت میں لگ گئے جو حقیقت میں فرشتوں، انبیاء اور نیک لوگوں کی عبادت تھی، اور بعض لوگ درختوں اور پتھروں کی پوجا پاٹ میں لگ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ نبی (محمد) ﷺ کو بھیجا، پھر بھی وہ لوگ انہی بتوں کی عبادت میں لگے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بلا کسی تفریق و امتیاز کے ان سب سے جنگ کا حکم دیا، کیونکہ جنگ کی علت جو بھی ہو اس کا مقصود ہر طرح کے شرک کو مٹانا اور صرف اللہ تعالیٰ کے دین پر لوگوں کو اکٹھا کرنا ہے۔

۲-امام رحمہ اللہ نے اس اصول کو کیوں مقرر کیا؟۔

امام رحمہ اللہ اور ان کے متبعین اصل دین اسلام یعنی توحید خالص پر علمی، عملی اور دعوتی طور پر قائم تھے، اور توحید خالص کی خاطر گزرے بزرگوں اور ولیوں کی عبادت کرنے والے قبر پرست دعوت کے مخالفین کے خلاف قرآنی دلائل کی روشنی میں ڈٹے رہے، ان لوگوں کا جواب صرف یہ تھا کہ یہ آیت کہ مردہ اولیاء اور صالحین کی عبادت کفر ہے جو بتوں کی عبادت کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، تو آپ بزرگوں اور انبیاء کو بت کیسے قرار دے رہے ہیں؟اسی اعتراض کے پیش نظر مصنف رحمہ اللہ نے یہ اصول مقرر کیا، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مختلف قسم کے باطل معبود پائے جاتے تھے، صرف بتوں ہی کی پوجا کی جاتی تھی بلکہ کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو فرشتوں، انبیاء اور بزرگوں کی پوجا کرتے تھے، لیکن جس اللہ نے حکم میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا، جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جان لو (اللہ آپ کا بھلا کرے) کہ شرک سے زمین بھری پڑی ہے ، جسے لوگوں نے بزرگوں سے اعتقاد و محبت کا نام دے رکھا ہے، آپ پر یہ بات چار باتوں سے واضح ہو جائے گی۔

نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دلائل تو ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو بتوں سے شفاعت طلب کرتے ہیں ، اور ہم تو نیک لوگوں سے شفاعت طلب کرتے ہیں، تو اللہ کے اس فرمان کو جان لو: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ﴾ (الإسراء:۵۷) ”جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں“۔

امید ہے کہ رسول اللہ کے دین سے اللہ کے دشمنوں کی جہالت ونادانی کو سمجھ سکتے ہو (الدرر السنیۃ ۱/۱۶۰)۔

اس اصول کے دو اہم مضمون:

۱- غیر اللہ کی پوجا کرنے والے ہر آدمی سے جنگ کا عمومی حکم ہے، جس کی پوجا کی جارہی ہے وہ چاہے بت ہو یا ولی، درخت ہو یا پتھر، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّه﴾ (الأنفال:۳۹) ”اور تم اُن سے اس حد

تک لڑو کہ اُن میں شرک و کفر نہ رہے، اور دین اللہ ہی کا ہو جائے“۔

وجہ استدلال:

۱- جنگ کی علت دین کو غیر اللہ کے لئے قرار دینا ہے، اور یہ اللہ کے سوا عبادت کرنے والے پر ہر فرد کو شامل وعام ہے، جس کی عبادت کی جارہی ہے، اس سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ بت ہو یا نبی، ولی ہو یا پتھر۔

۲- رسول اللہ کی بعثت کے وقت مختلف معبودان باطل پائے جاتے تھے، انہی میں سے چند یہ ہیں ہے:

سورج وچاند کی پوجا:

اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لاتَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (فصلت :۳۷). ”اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو، جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے“۔

اللہ اور اللہ کے رسول نے جن کفار و مشرکین کو شرک کے وصف سے متصف کیا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں، قوم نوح اور قومِ ابراہیم۔

نوح علیہ السلام کی قوم کا اصل شرک بزرگوں کی قبروں پر کھڑا ہونا تھا، پھر وہ ان بزرگوں کا مجسمہ بنا کر اس کو پوجنے لگے، جب کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی اصل شرک سورج چاند، اور ستاروں کی پوجا تھا، انہیں مشرک صابی کے نام سے جانا جاتا تھا جو عراق میں آباد تھے، جیسا کہ سورۃ الأنعام میں اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ بیان فرمایا ہے، پھر یہ دین سبا (یمن) میں ظاہر ہوا جہاں سورج کی پوجا کی گئی جیسا کہ سورۃ النمل میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی ہے۔

(فائدہ: ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صابئہ بڑی امتوں میں سے ایک بڑی امت تھے، ان کے بارے میں اہل علم نے کافی اختلاف کیا ہے، ان میں مومن بھی ہیں، اور کافر بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَالَّذِينَ هَادُواْ وَالصَّابِؤُونَ وَالنَّصَارَى مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وعَمِلَ صَالِحًا فَلاَ خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (سورة المائدة:٦٩).

”مسلمان، یہودی، صابی (ستارہ پرست) اور نصرانی کوئی ہو، جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ بالکل بے خوف رہے گا، اور بالکل بے غم ہو جائے گا“۔

عرب کے بتوں میں سے ایک بت کا نام ”شمس“ تھا، اسی نسبت سے وہ عبد شمس نام رکھتے تھے، اس طرح انہوں نے ”شمس“ (سورج) کو اپنے معبودوں کے ناموں میں سے ایک نام بنا رکھا تھا، اور یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ قبیلہ کنانہ کے کچھ لوگ چاند کی پوجا کرتے تھے (التحریر والتنویر: ۱۱/ ۲۹۹، اغاثۃ اللہفان: ۲ / ۲۰۳)۔

شام اور یمن کے بہت سارے لوگوں نے دین صابی کو اختیار کر لیا، اور نئے نئے دین کے آنے کی وجہ سے صابی دین سکڑ گیا (الرحیق المختوم: ۴۶-۴۷)۔

نبی کریم ﷺ نے سورج نکلتے اور ڈوبتے وقت نماز پڑھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے تاکہ کفار کی مشابہت سے بچا سکے، نیز شرک میں

ملوث ہونے کے ذرائع کا دروازہ بند کیا جاسکے، نیز اللہ کے نبی کریم ﷺ نے اس بات سے آگاہ کیا کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے نکلتا اور ڈوبتا ہے، اوراس وقت کفاراس کی پوجا کرتے ہیں۔(مسلم، حدیث نمبر: ۸۳۲)۔

بعثت نبوی کے وقت فرشتوں کی پوجا:

بعثت کے وقت جن معبودوں کی پوجا کی جاتی تھی ان میں فرشتے بھی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یوں مذکور ہے: ﴿وَلاَ يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُواْ الْمَلاَئِكَةَ وَالنِّبِيِّيْنَ أَرْبَابًا﴾ (آل عمران: ۸۰) ”اور یہ نہیں (ہوسکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالینے کا حکم کرے“۔

نیز قرآن کریم میں دوسرے مقام پر یوں آیا ہے: ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلائِكَةِ أَهَؤُلاء إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ☆ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ﴾

(سبأ: ٤٠-٤١). ''اور اُن سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے☆وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے، اور ہمارا ولی تو ہی ہے، نہ کہ یہ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، اُن میں کے اکثر کا ان ہی پر ایمان تھا''۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا: کیا تم نے مشرکوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا؟ فرشتے اللہ کی ذات کی پاکی بیان کریں گے اور کہیں گے: ایسا ہرگز نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہو، اور بتائیں گے کہ ان کی عبادت کی طرف دعوت دینے والے جن یعنی شیاطین تھے (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۸۶۲)۔

جن کفار و مشرکین سے گفتگو کرتے، اور بعض چیزوں میں ان کی مدد کرتے، پھر وہ یہی سمجھ بیٹھے کہ وہ فرشتوں کی عبادت کر رہے ہیں، جب کہ حقیقت میں وہ جن کی پوجا و بندگی کرتے تھے (قاعدہ فی التوسل والوسیلہ: ۳۹)۔

بعثت نبوی کے وقت انبیاء کی پرستش:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت جن معبودوں کی عبادت وبندگی کی جاتی تھی ان میں انبیاء ورسل بھی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا: ﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللّٰهِ﴾ (المائدۃ:۱۱۶) ''اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے اُن لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو''۔

بعثت نبوی کے وقت بزرگوں کی عبادت وبندگی:

بعثت رسول ﷺ کے وقت بزرگوں کی پوجا ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ (الإسراء:۵۷) ''جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ اُن میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے

،وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے،اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں“۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلف کے ایک گروہ نے کہا ہے:

ایسی قومیں تھیں جو مسیح (عیسی علیہ السلام)، عزیر اور فرشتوں کو پکارتی تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا. یہ تو میرے بندے ہیں جیسے کہ تم لوگ میرے بندے ہو، وہ میری رحمت کی ایسے ہی امید رکھتے تھے جیسے تم رکھتے ہو،اور میرے عذاب سے ایسے ہی ڈرتے ہیں جیسے تم لوگ ڈرتے ہو (الدرر السنیۃ:۱/۱۴۵)۔

عزیر کے بارے میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ نبی تھے یا نہیں؟۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشہور بات ہے کہ عزیر بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک نبی تھے،اور وہ داود و سلیمان اور زکریا و یحییٰ (علیہ السلام) کے عہد کے مابین تھے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس آیت کریمہ میں فرشتوں اور انبیاء کی پوجا اور بندگی کا ذکر ہے، یہ بات بھی گزر چکی کہ مصنف رحمہ اللہ

نے اس کی دلیل بھی بیان کی ہے، اور اس آیت کو انہوں نے یہاں اس مقصد کے پیش نظر ذکر کیا ہے، تاکہ مشرکوں کے نیک لوگوں کی عبادت وبندگی پر دلیل پکڑیں، تو اس آیت سے بزرگوں کی پرستش پر دلیل پکڑنا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔

آیت سے دو شکل میں دلیل پکڑی جا سکتی ہے:

۱- انبیاء اور فرشتے دونوں مخلوقات میں سب سے نیک وصالح لوگ ہیں۔

۲- فقہی قاعدہ ہے کہ نصوص کتاب وسنت میں وارد الفاظ میں عام معنی کا اعتبار ہوتا ہے، کسی خاص سبب سے وہ اس خاص سبب کا بن کر نہیں رہ جاتے، تو یہ ان تمام معبودان کو شامل ہیں جو اللہ کے علاوہ پوجے جائیں اور جن کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ مانا جائے، اور ان سے امید رکھی جائے، تو اس میں انبیاء کے علاوہ تمام نیک وبزرگ لوگ داخل ہیں، ساتھ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ کی بعثت کے وقت انبیاء کے علاوہ نیک لوگوں کی پوجا بھی کی جاتی تھی، جیسا کہ نصاری نے عیسیٰ کی ماں (مریم) کی پوجا

کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَإِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِن دُونِ اللّهِ﴾ (المائدة:١١٦). "اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسی ابن مریم کیا تم نے اُن لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو"۔

لات کی پوجا کی گئی جو حاجیوں کے لئے ستو گھولتا تھا، جب وہ مر گیا تو لوگ اس کی قبر پر بیٹھ گئے یعنی مزار بنا کر اسے پوجنے لگے (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۵۵)۔

آیت کا یہ معنی "اللات" کی "ت" کو تشدید کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں ثابت ہے اور یہ قراءت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے۔

بعثت رسول کے وقت درختوں اور پتھروں کی پوجا:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت جن معبودوں کی عبادت کی جاتی تھی ان میں درخت اور پتھر بھی شامل تھے جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللاتَ وَالْعُزَّى☆وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الأُخْرَى﴾ (النجم:۱۹-۲۰). ”کیا تم نے “لات” اور “عزیٰ” کو دیکھا☆اور تیسرے پچھلے “منات” کو“۔

شہر طائف میں ایک سفید منقش چٹان تھی جس پر ایک گھر بنا ہوا تھا جو ایک چہار دیواری میں تھا، اور چاروں طرف کشادہ آنگن تھا، جو طائف والوں کی نظر میں بڑی قابل عظمت تھا۔

اور درختوں کی عبادت کی دلیل یہ ہے کہ ”عزی“ ایک درخت تھا جس پر گھر بنا تھا اور اس پر پردے تھے اور وہ ایک کھجور کے باغ میں تھا (المرجع السابق)۔

حدیث سے بھی درختوں کی عبادت پر دلیل ملتی ہے۔ ذات انواط والی حدیث کی دلیل ظاہر وباہر ہے اس حیثیت سے کہ وہ مشرکین اس بیری کے درخت کے پاس ٹھہرتے، اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔

تیسرے اصول کی شرح کا خلاصہ

۱- بعثت رسول کے وقت جن معبودوں کی عبادت اور پوجا ہوتی تھی وہ مختلف و متنوع تھے صرف بتوں کی عبادت ہی پر محدود نہیں تھا، بلکہ انبیاء وصالحین وغیرہ بھی پوجے جاتے تھے، اسی بنا پر شرک سے متعلق نازل آیات اپنے عموم پر باقی رہیں گی، اور ان تمام معبودوں کو شامل ہوں گی جو اللہ کے علاوہ پوجے جائیں، نیز انہی میں سے بزرگوں کی پوجا بھی ہے۔

۲- اللہ کے علاوہ عبادت کرنے والے سے جنگ کا عمومی حکم ہے، یعنی جس کسی کی بھی پوجا کی جائے، چاہے وہ فرشتہ ہو یا نبی یا بزرگ، اس کے خلاف موقف اختیار کیا جائے گا۔

۳- قبر کے پجاریوں کے مسلک کا رد وابطال اس حیثیت سے کہ انہوں نے شرک کے بارے میں نازل آیتوں کو بتوں کی پوجا کے ساتھ محدود کردیا تاکہ بزرگوں کی عبادت کرسکیں۔

چوتھا اصول

ہمارے دور کے مشرک پرانے زمانوں کے مشرکین سے کہیں زیادہ سخت مشرک ہیں، کیونکہ پرانے زمانے کے مشرک خوش حالی کے زمانے میں شرک کا ارتکاب کرتے تھے، اور پریشانی و مشکلات کے وقت خالص اللہ کو پکارتے تھے، جب کہ ہمارے زمانے کے مشرک خوشی و غمی، اور خوشحالی و پریشانی ہر وقت شرک کا ارتکاب کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنکبوت:٦٥) ”پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں، اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں“، واللہ اعلم، وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

چوتھے اصول کا معنیٰ و مفہوم:

یہ اصول نہایت واضح اور صاف ہے مگر غم اور فکر کی بات یہ ہے کہ سب سے اچھے اور بہتر ،دینِ اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کا شرک گزشتہ اقوام کے شرک سے کہیں زیادہ آگے ہے، اور یہ غمی اور خوشی ہر حال میں شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں، جب کہ پرانے زمانہ کے مشرکین صرف مشکلات و تکالیف اور خوف ودہشت کے وقت اپنی دعائیں صرف اور صرف ایک بلند و برتر اللہ سے کرتے تھے۔

اس اصول کا مفہوم:

امام مصنف رحمہ اللہ نے اصول بیان کرنے کے دوران ہی اپنا مقصد و مقصد بیان کر دیا، آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دور کے مشرک کا شرک پرانے زمانے مشرکین کے شرک سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمارے زمانے کے مشرکیں عہد نبوت کے کفار ومشرکین سے کہیں زیادہ آگے بڑھ گئے، اس طور پر کہ عہد نبوت کے کافر ومشرک فرشتے، أولیاء، اور بزرگوں کو پکارتے، اور ان کی شفاعت و تقرب کے خواہاں تھے، وہ اس بات کا اقرار کرنے والے تھے کہ سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ غیر اللہ کو صرف خوشحالی کے دنوں میں پکارتے تھے، لیکن جب پریشانی آتی تو صرف اللہ کو پکارنے میں لگ جاتے (الدرر السنیۃ: ۱/ ۶۷)۔

مصنف رحمہ اللہ نے یہ بھی واضح کردیا کہ بعد کے لوگوں کا شرک پہلے لوگوں کے مقابلے میں کیوں سخت ہے، تو اس کی دو وجہ ہے:

۱- زمانہ ماضی کے لوگ صرف خوشحالیوں میں شرک کرتے ، اور فرشتوں، ولیوں اور بتوں کو پکارتے تھے۔

۲- گزشتہ زمانہ کے لوگ اللہ کے ساتھ ان لوگوں کو پکارتے تھے جو اللہ

کے مقرب ہوتے تھے جیسے انبیاء، اولیاء، فرشتے، یا درختوں اور پتھروں کو پکارتے جو اللہ کے مطیع و فرمانبردار ہوتے، اوراس کے نافرمان نہ ہوتے تھے، لیکن بعد کے مشرک اللہ کے ساتھ ایسے لوگوں کو پکارتے ہیں جو لوگوں میں سب سے بڑے فاسق و فاجر تھے، اور جو لوگ انہیں پکارتے ہیں وہی ان پر زنا، چوری اور بے نمازی ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ (کشف الشبہات: ۲۹-۳۰)۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے قرآنی آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ گزشتہ دور کے مشرک پریشانی و مشکلات کے وقت صرف تنہا اللہ کو پکارتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنكبوت: ٦٥). ”پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں، اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں“۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں خبر دی کہ وہ مجبوری اور پریشانی کی حالت میں صرف ایک اللہ ہی کو پکارتے تھے جس کا کوئی شریک نہیں تو یہ ان سے ہمیشہ کیوں نہیں ہوتا...... یعنی ہر حال میں اور ہر وقت ایک اللہ ہی کو پکارتے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا، تو وہ مکہ سے بھاگ نکلے جب حبشہ جانے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے تو بیچ سمندر میں کشتی ہچکولے کھانے لگی، کشتی میں سوار لوگوں نے کہا: اے لوگو! اپنے رب سے خالص دعا کرو، کیونکہ اس مصیبت سے اس کے علاوہ کوئی نجات نہیں دے سکتا، عکرمہ فرماتے ہیں کہ میں نے غور کیا کہ جب سمندر میں اللہ کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں تو پھر خشکی پر بھی اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں، پھر میں نے کہا: اے اللہ! میں

تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں اگر تو نے مجھے یہاں سے نجات دے دی تو میں ضرور جا کر اپنا ہاتھ محمد کے ہاتھ میں رکھ دوں گا، یقیناً میں نے انہیں بڑا مشفق اور رحم دل پایا ہے، پھر ایسا ہی ہوا (تفسیر القرآن العظیم: ۴/۴۰۶)۔

امام محمد بن عبدالوہاب کا دور گزرنے، اور نیا دور آنے، نیز پرانے لوگوں کے ختم ہو جانے اور پرانی صورت حال کے گزر جانے کے بعد کیا کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ شرکیہ عقائد والوں کے مرنے کے بعد ان کی موت کے ساتھ ساتھ ان کے یہ عقائد بھی دفن ہو گئے، ایسا ہرگز نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا واضح معاملہ ہے جس کے لئے کسی دلیل یا اس کی وضاحت کی کوئی ضرورت ہو، بلکہ یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ذہن ودماغ میں کوئی چیز کیسے صحیح ہو سکتی ہے
جب روشن دن کے لئے دلیل کی ضرورت ہو

مسلم ممالک کے بعض مقبروں اور مزاروں کی زیارت سے یا میلاد (پیدائش) کی مجالس میں حاضری سے آپ کو بخوبی علم ہو گا کہ

لوگوں کے دل مردوں سے کس قدر جڑے ہوئے ہیں اور پریشانیوں کے وقت وہ کس قدر ان کو پکارتے ہیں۔

دین وہدایت کی غربت کی شکایت میں اللہ ہی سے کرتا ہوں ☆ اور صبح وشام آنے جانے والوں کے بیچ اس کے فقدان کی بھی شکایت کرتا ہوں، دین جیسے شروع میں بے یار ومددگار ظہور پذیر ہوا تھا، پھر اسی طرح بے یار ومددگار ہوگیا ہے ☆ اس لیے اہل علم وہدایت کو دین کی بری حالت زار پر آنسو بہانا چاہئے۔

یہ حالت عام آدمی کی ہے، عجب نہیں اگر ایسا شخص بھی ہو جو ان کے لئے ابوجہل وابولہب کے دین کو مزین کرکے پیش کرے ان میں سے ایک شخص یہ کہتا ہے:

جو نبی یا ولی کی قبر پر تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کرے، اور اس سے وسیلہ پکڑے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی، کیونکہ صرف، ندا، استغاثہ، خوف وامید کو شرعی عبادت کا نام نہیں دیا جاسکتا گرچہ اسے لغوی طور پر عبادت کا نام دیا گیا ہو۔

تو دعا کی ساری قسمیں عبادت نہیں ہیں، ہاں جب ہم اس اعتقاد کے ساتھ ان کو پکاریں کہ ان میں صفاتِ ربوبیت یا ان میں سے کوئی ایک صفت پائی جارہی ہو (التندید بمن عدد التوحید:۲۵)۔

کیا یہ بات ایک مسلمان کی ہے چہ جائیکہ یہ بات ایک ایسا شخص کہے جو اپنے کو علماء کی جماعت سے منسوب کر رہا ہو، انکساری، استغاثہ، خوف وامید ودعا کیا شرعی عبادت نہیں۔

کیا انہیں اس کا علم نہیں کہ قلبی عبادتیں یہی ایمان کا اصول، دین کی بنیادیں، اور اعضاء وجوارح کے عمل کی اساس ہیں، اور یہ تمام مخلوق پر واجب ہے جو حکم الٰہی کے مکلّف ہیں، نیز اس پر تمام ائمہ دین کا اتفاق ہے (ا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (غافر: ٦٠). "اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہوچکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں، وہ ابھی

ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے“۔

دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلآئِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ (الأنفال:۹). ”اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا، جو لگاتار چلے آئیں گے“۔

نیز اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلا صَالِحًا وَلا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الکهف:۱۱۰). ”تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے، اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے“۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا: ﴿فَلاَ تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران:۱۷۵). ”تم اُن کافروں سے نہ ڈرو، اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو“۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾ (الأنبياء: ٩٠). "اور یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے، اور ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے"۔

قبر کے پجاریوں کے متعلق اس سے سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے، انسان اپنے دل میں کوئی چیز چھپائے رکھتا ہے جس کا اسے خود شعور نہیں ہوتا، اور اکثر اس کے دل میں کوئی چیز پوشیدہ اعتقاد پر مشتمل ہوتی ہے جس کا اسے احساس نہیں ہوتا، اس سے قریب تر مثال میرے نزدیک کوئی نہیں کہ لوگ اپنے حاجات و مقاصد کے حصول کے لئے قبر میں دفن مردوں سے ایسی التجا و درخواست کرتے ہیں، اور وہ اپنے معبود برحق کی طرح ان سے عاجزی سے دعا کرتے ہیں، اس پر جب انہیں کوئی تنبیہ کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے، ہم تو فقط انہیں اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

حقیقت میں معبود کی معبودیت کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ بندہ اس کے سامنے عاجزی وانکساری کے ساتھ، سہمے ولرزے انداز میں کھڑا ہو کر اس سے مدد مانگے، اسی بنا پر وہ فی الواقع ان مردوں کی پوجا و بندگی کرنے والے بنے، حالانکہ انہیں اس کا ذرا بھی شعور واحساس نہیں، اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بھی خوش بختیوں سے نہیں نواز تا کہ وہ کسی آفت کا شکار ہو کر مصیبت میں گرفتار ہوں، اللہ کو یاد کرنے سے پہلے پتھروں کو یاد کرنے لگیں، اور اللہ کو پکارنے سے پہلے درختوں کو پکارنے لگیں۔

آپ لوگ صبح وشام یہی رٹ لگائے رہتے ہیں کہ اسلاف کرام کی اتباع میں ہر طرح کی خیر و بھلائی ہے، اور بعد کے لوگوں کی بدعتوں کی اتباع ہر طرح کا شر وفساد ہے، تو کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ سلف صالحین قبروں کو پختہ بناتے تھے، قبروں کا وسیلہ پکڑتے تھے، کیا آپ کو اس کا بھی علم ہے کہ اسلاف میں سے کوئی بھی نبی ﷺ کی قبر پر یا آپ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی آپ پر یا آل بیت کی قبر پر بیٹھ کر حاجت روائی یا مشکل کشائی کی درخواست والتجا کی، کیا آپ کو اس کی بھی

جانکاری ہے کہ رفاعی، دسوقی، جیلانی اور بدوی اللہ کے نزدیک انبیاء ورسل، صحابہ وتابعین سے زیادہ مکرم ومعظم اور اللہ کے لئے وسیلہ پکڑنے میں بڑے معظم ہیں، آپ سب یہ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب مجسمہ لگانے سے منع فرمایا تو یہ محض فضول، کھیل وتماشا تھا، یا اس اندیشہ کے پیش نظر کہ مسلمانوں میں وہی پہلی جاہلیت واپس نہ آجائے؟ تصویر ومجسمہ اور مزارات وقبور کے درمیان کیا فرق ہے، جب کہ ان میں سے ہر ایک شرک تک پہنچاتے ہیں،اور عقیدۂ توحید کو برباد کرتے ہیں(النظرات لمصطفیٰ المنفلوطی:۸۱/۸۵)۔

چوتھے اصول کی شرح کا خلاصہ

۱- بعد کے دور کے شرک کرنے والے پہلے دور کے کفار و مشرکین سے زیادہ شرک میں سخت ہیں۔

۲- قبروں کی پوجا اس دن تک باقی رہے گی جب تک اسے مزین کرنے والے اس کی طرف دعوت دینے والے لوگ موجود رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ فہم توحید کے چاروں بنیادی اصول و قواعد پر مشتمل رسالہ کی شرح و توضیح کا کام ختتام کو پہنچا والحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

فہرست مضامین

ایڈیشن ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

دفتر تعاون برائے دعوت و توعیۃ الجالیات، ربوہ
ٹیلیفون: ۰۰۹۶۶۱۴۴۵۴۹۰۰-۴۹۱۶۰۶۵

انٹرنیٹ سائٹ کا پتہ:
www.islamhouse.com

۱۴۳۲ھ-۲۰۱۱م

لأي سؤال أو اقتراح أو تصحيح يرجى مراسلتنا من الموقع التالى:

www.islamhouse.com

المكتب التعاونى للدعوة وتوعية الجاليات بالربوة

هاتف: ٤٤٥٤٩٠٠ – ٤٩١٦٠٦٥

عنوان الموقع:

www.islamhouse.com